قائل نہیں ہیں (۹)۔ لیکن حکومت مصر نے اس بارے میں حضرت عثمانؓ کی رائے پر عمل کیا ہے--- پھر بعض خاص مسائل مثلاً "مسئلہ اکدریہ" اور "مسئلہ مشترکہ" وغیرہ میں بھی کسی خاص فقہی سکول کی پابندی نہیں کی گئی (۱۰)۔ محجوب الارث یتیم پوتے کے مسئلہ کو حکومت مصر نے اپنے قانون وصیت واجبہ کے ذریعے حل کیا ہے۔ قانون وراثت میں کوئی ترمیم نہیں کی۔

اس وقت ہمارے سامنے غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ قانونِ وراثت میں اس غرض کی لئے کسی ترمیم وغیرہ کا امکان ہے یا نہیں؟

جہاں تک محجوب الارث یتیموں کے مستقبل کی حفاظت کے لئے ان کو اپنے دادا کی جائیداد سے حصہ دلانے کے لئے کوئی قانونی ذریعہ مہیا کرنے کا تعلق ہے۔ یہ مقصد خلاف اسلام نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ عین تقاضائے تعلیم قرآن ہے۔ اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ چونکہ یتیم پوتا محجوب الارث ہے اس لئے اس کو کچھ دلانے کا ذریعہ پیدا کرنا خلاف احکام اسلام ہے تو یہ سراسر اس کی جہالت اور فہم قرآن سے بالکل کورا ہونے کا ثبوت ہوگا۔ ونعوذ بالله ان نکون من الجاهلين.

اب اس طرف آیئے کہ وہ "قانونی ذریعہ" کیا ہو؟ ممکن قانونی ذریعے چار ہوسکتے ہیں۔ (۱) ہبہ (۲) وصیت (۳) نفقہ (۴) وراثت۔ یہاں ہمیں موخر الذکر سے بحث کرنا مطلوب ہے--- یہ بالکل بدیہی سی بات ہے کہ یتیم پوتا اپنے دادا یا دادی کی جائیداد سے "بطور وراثت" اسی صورت مین کچھ پاسکتا ہے جبکہ اسے اپنے باپ کا قائم مقام تسلیم کر لیا جائے لیکن ہم اس بات پر مفصل بحث کر چکے ہیں کہ بطور قاعدہ کلیہ کے اصول نیابت اسلامی قانون وراثت میں کسی طرح بھی نہیں چل سکتا۔ اور جہاں تک اس "کلیت" کا تعلق ہے فقہائے متقدمین سے قرآن کا مفہوم سمجھنے میں ہرگز کوئی غلطی نہیں ہوئی (۱۱)۔

اب ایک صورت یہ رہ جاتی ہے کہ یتیم پوتے کی خاطر قانون وراثت میں ایک استثناء تسلیم کیا جائے (۱۲) مثلاً یوں کہ " صرف اس اولاد کی صورت میں جو

Marfat.com

اپنے ماں یا باپ کی زندگی میں مر جائیں اور اپنے پیچھے اپنی فرع (اولاد) بھی چھوڑ جائیں تو بطور استثناء انکی موت کو اپنے مورث کی موت کے بعد فرض کرکے انکا حصہ نکالا جائے اور پھر ان کی موجودہ وارثوں میں تقسیم کیا جائے"--- اگرچہ اس قسم کی قانون سازی میں ایک خودرایانہ پہلو پایا جاتا ہے جو مفاسد سے خالی نہیں ہوسکتا۔ (کیونکہ قرآن کے متعدد قسم کے مقرر کردہ وارثوں میں سے ہم صرف ایک قسم کے لئے یہ حق تسلیم کر رہے ہوں گے)--- تاہم محض اس بنا پر کہ اس کا مقصد ایک مصلحت شرعی--- مصالح یتامی-- کا تحفظ ہے' لہذا اس قسم کے استثناء کو روح اسلام کے منافی نہ سمجھتے ہوئے جائز گردان بھی لیں۔ لیکن آیئے اب غور کیجئے کہ اس طرح یتیم کو حاصل کیا ہوگا؟

جب آپ اس طرح کسی مرنے والے (کی موت مورث کے بعد فرض کرکے اس) کا حصہ نکالیں گے تو وہ تمام کا تمام حصہ اس کی اولاد میں ہرگز تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ ازروئے قرآن اولاد کی موجودگی میں بھی ماں یا باپ اور خاوند یا بیوی میں سے جو بھی موجود ہوں گے ان کا حصہ نکالنا ضروری ہے۔

گویا قرآن کی تقسیم وراثت کی رو سے اولاد کے ہوتے ہوئے بھی نصف کے قریب یا بعض دفعہ نصف سے زیادہ جائیداد دوسرے وارث لے سکتے ہیں مثلاً جب میت کی اولاد کے ساتھ اس کے والدین اور بیوی بھی موجود ہوں تو ۱۱/۲۴ حصہ تو یہ لے جائیں گے اور باقی ۱۳/۲۴ اولاد میں تقسیم ہو گا۔ اسی طرح اگر میت عورت ہو اور اولاد کے ساتھ والدین اور خاوند بھی چھوڑ رہی ہو تو اس کے ترکے کا صرف ۵/۱۲ حصہ اس کی اولاد کو ملے گا۔

اب اگر ہم مندرجہ بالا استثناء کو تسلیم کرتے ہوئے ایک مردہ بیٹے کا حصہ نکالیں اور اس کی اولاد کے علاوہ اس کی بیوی اور ماں بھی زندہ موجود ہوں تو ان کو ۱/۸+۱/۶=۷/۲۴ یعنی تہائی کے قریب لازماً دینا پڑے گا (۱۳)--- تو اس طرح یہ نیا استثناء تسلیم کر لینے کے باوجود بھی یتیم پوتے کو بہت کم صورتوں میں

Marfat.com

باپ کی پوری جائیداد مل سکتی ہے۔

لیکن اس کے برعکس ہم دیکھ چکے ہیں کہ قانون وصیت کی رو سے بعض صورتوں میں اس کی مصلحتوں کے پیش نظر اسکے متوقع حصے سے زیادہ (ثلث کی حد کے اندر رہتے ہوئے بھی) دیا جاسکتا ہے۔ اور اگر مصری قانون کی طرح "وصیت واجبہ" نافذ کی جائے تو بھی شاذ صورتوں میں اسے اپنے متوقع حصہ سے کم مل سکتا ہے (۱۴)۔ اور پھر قانون وصیت سے صرف یتیم پوتے کا ہی نہیں بلکہ اور بھی محتاج اقرباء کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ نیز اس سے قرآن کے ایک حکم کی تعمیل بھی ہو جاتی ہے۔ اس طرح ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اسلامی قانون ہبہ و وصیت کے ہوتے ہوئے قانون وراثت میں خاص محجوب الارث پوتے کے لئے کسی استثناء یا ترمیم وغیرہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور نہ ہی یہ زیادہ مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ اصل ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ اسلامی قانون وراثت کے ساتھ فوراً اسلامی قانون وصیت نافذ کیا جائے اور ایسی خاص صورتوں میں جبکہ دادا نہ تو زندگی میں کچھ دے سکا ہو اور نہ ہی وصیت کر سکا ہو (اور قانون وصیت کے نفاذ کے بعد ایسے واقعات (Cases) بہت کم بلکہ شاذ ہی پیش آئیں گے) تو اس کے لئے چار صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) حکومت خود ایسے یتامی کی کفالت اپنے ہاتھ میں لے اور یہ سب سے بہترین اور صحیح ترین اسلامی صورت ہے۔

(۲) وارث چچاؤں پر نفقہ تا حد بلوغ واجب قرار دیا جائے۔ یہ صورت بھی ہماری فقہ میں موجود ہے اور موجودہ زمانے میں بعض ممالک میں اس کے مماثل قانون بھی ملتے ہیں مثلاً انگلستان میں فرزند اکبر کی صورت میں باقی کے افراد نفقہ پاتے ہیں۔

(۳) مصری قانون کی طرح ایسی خاص صورت کے لئے "وصیت واجب" کے نفاذ کا اختیار عدالت کو دیا جائے۔

Marfat.com

(۴) ایسی مخصوص صورتوں کے لئے اس قسم کا استثناء تسلیم کیا جائے جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے لیکن ایسا "استثناء" اس صورت میں جائز ہو سکتا ہے جبکہ وہ واقعی "مایثبت بطریق الضرورۃ فیقدر بقدر الضرورۃ" کے فقہی اصول کے مطابق ہو۔ یعنی زیادہ سے زیادہ قرآنی حدود میں مقید ہو۔ اصول قائم مقامی کے باآسانی چلانے کے لئے صرف "نسبی رشتہ داروں" پر اس کا اطلاق کرنا یقیناً صریحاً خلاف قرآن ہوگا اور اسے ہرگز روا نہیں رکھا جا سکتا۔

ہماری رائے میں مؤخر الذکر ہر دو صورتیں "جائز" اور "مباح" کی حد تک ہیں۔ جبکہ وصیت کا قانون نافذ کرنا اور یتامی کی کفالت خود حکومت کا اپنے ذمہ لینا "ضروری" اور "واجب" کے درجہ میں ہیں اور واجب اصلی کو نظر انداز کر کے ضرورتاً جائز چیز کو واجب کرنے کے لئے بے چین ہونا صحیح اسلامی روح کی بجائے بعض دوسرے عوامل کے اثرات کی غمازی کرتا ہے؟

☆☆☆

Marfat.com

حواشی اور حوالہ جات

(۱) الملک / ۱۴

(2) Reconstruction of Religious Thought in Islam,page: 168

(۳) خطبات اقبال (انگریزی) صفحہ ۱۸

(۴) اصول التشریع الاسلامی صفحہ ۸۳

(۵) الفاروق صفحہ ۱۷۱ و صفحہ ۲۳۷ نیز اصول التشریع الاسلامی صفحہ ۸۵

(۶) بلکہ شاید یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کے جس مسئلہ پر امت میں متعدد نظریات موجود ہیں ان میں سے ہر ایک نظریہ مخصوص حالات و ضروریات میں اس مسئلہ کا بہترین اور صحیح ترین حل قرار دیا جاسکتا ہے۔ مثلاً خلافت و امارت کے مسئلے میں سنیوں کے نظریہ قرشیت اور شیعوں کے نظریہ امامت کے مقابلے پر آج خوارج کا "نظریہ انتخاب" کس قدر قرین صواب نظر آتا ہے۔

(۷) الفاروق صفحہ ۲۳۲

(۸) عام مروجہ ترتیب کیلئے دیکھئے کتاب ہذا کا صفحہ ۴۴ حاشیہ ۱۰

(۹) البتہ اگر ایسا رشتہ ہو جس میں فرض اور تعصیب جمع ہو جائیں مثلاً خاوند ابن عم شقیق (سگے چچا کا بیٹا) بھی ہو تو اس صورت میں ۱/۲ کے علاوہ باقی بطور عصبہ پا سکتا ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(۱۰) تفصیلات کے لئے دیکھئے کتاب المواریث الاسلامیہ صفحہ ۱۶ و صفحہ ۴۳۔ ۴۴

(۱۱) بلکہ جو حضرات اس مسئلہ کے متعلق کل تک "خلاف قرآن" ہونے کے فقہی ثبوت دے رہے تھے۔ خود ان پر بھی اصول نیابت کی کلیت کی غلطی بلکہ لغویت واضح ہو گئی ہے اور خود بھی اس اصول کو صرف "نسبی رشتہ داروں" تک محدود کرنے کے قائل ہوگئے ہیں۔ (دیکھئے طلوع اسلام ماہ مارچ ۱۹۵۴ صفحہ ۵۸ تا ۶۰) حالانکہ یہ "نسبی" کی تخصیص بجائے خود غیر قرآنی بلکہ صریحاً خلاف قرآن ہے۔ دیکھئے ضمیمہ الف کتاب ہذا صفحہ ۱۲۰-۱۲۳

(۱۲) جس طرح اخیافی بھائیوں کی وراثت کے متعلق فقہ فرائض میں ایک استثناء موجود ہے دیکھئے کتاب ہذا صفحہ ۲۵

(۱۳) اس قسم کے استثناء ہیں صرف "نسبی رشتہ داروں" کو وارث بنانا اور بیوی یا ماں کو نظر انداز کرنا صریحاً خلاف قرآن ہے جس کی کوئی تاویل نہیں کی جاسکتی۔ لیکن تعجب ہے کہ وہ لوگ جو اپنی فکر کی بنیاد صرف قرآن پر رکھنے کے مدعی ہیں وہ بھی میاں بیوی جیسے تعلق وراثت کو۔ جو قرآن کا صریح حکم ہے اور دنیا بھر کے قوانین وراثت میں اپنی نظیر آپ ہے--- نظر انداز کرنے پر رضامند ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ "اجتہاد" سراسر خلاف قرآن ہے۔ اور محض جاہلانہ تحکم ہے۔ (میرا اشارہ رسالہ طلوع اسلام ماہ مارچ ۱۹۵۴ (صفحہ ۵۸۔۶۰) کی طرف ہے)

(۱۴) توضیحات کے لئے دیکھئے کتاب ہذا صفحہ ۱۰۸-۱۰۹

☆☆☆

ضمیمہ الف

پنجاب اسمبلی کے اجلاس منعقدہ ۳ دسمبر ۱۹۵۳ء میں چودھری محمد اقبال صاحب چیمہ ایم ایل اے کی طرف سے ایک مسودہ قانون پیش کیا گیا جس کا مقصد اسلامی قانون وراثت (پنجاب شریعت ایکٹ ۱۹۴۸ء) میں ایسی ترمیم کرنا ہے جس کی رو سے یتیم پوتوں کو بھی حصہ مل سکے۔ اگرچہ اصل مسئلہ پر اپنا نقطہ نظر ہم اصل مقالہ مین پیش کر چکے ہیں' تاہم چونکہ چیمہ صاحب کا مجوزہ بل بھی ہمارے موضوع بحث سے خاص تعلق رکھت ا ہی لہذا اس بل پر بھی ایک نظر ڈال لیتے ہیں تاکہ یہ بحث تشنہ تکمیل نہ رہ جائے۔

چیمہ صاحب کے مجوزہ ترمیمی بل کے وجوہ مقاصد یوں بیان کئے گئے ہیں۔

"یہ خیال عام پایا جاتا ہے کہ اسلامی قانون وراثت کے لئے اصول نیابت بالکل اجنبی ہے۔ اس وقت مورث کی وفات سے پہلے مرنے والے بیٹے یا بیٹی اور بھائی یا بہن کی اولاد کو اس مورث کی جائیداد سے کچھ حصہ نہیں ملتا۔ شریعت میں کوئی ایسی واضح ممانعت موجود نہیں ہے کہ یہ اشخاص مورث کی دوسری اولاد کی موجودگی میں محجوب الارث ہی ٹھہریں گے۔ قانون (وراثت) کا مروجہ نظریہ یتیم پوتوں پوتیوں' نواسوں نواسیوں' بھتیجوں بھانجوں وغیرہ کی زندگی بڑی اندوہناک بنا دیتا ہے۔ پس قانون کی اسلامی روح سے سازگار بنانے کے لئے یہ ترمیم تجویز کی جاتی ہے۔"

افسوس ہے کہ اس بیان میں بہت کچھ خلط مبحث کر دیا گیا ہے تاہم مندرجہ ذیل امور قابل غور ہیں۔

Marfat.com

(۱) یہ محض خیال ہی نہیں حقیقت ہے کہ اصول قائم مقامی اسلامی قانون وراثت کے لئے واقعی اجنبی اور ناقابل عمل ہے(۱)۔

(۲) بھائی بہن کی اولاد کو بھی اس ترمیم سے مستفیض کرنا تعجب خیز ہے۔ اسلامی قانون وراثت ان کو اپنے ماں باپ کی جائیداد سے کب محروم کرتا ہے کہ ان کو بھی محجوب الارث کی صف میں لا کھڑا کر دیا جاوے--- آخر مرحوم بیوی یا خاوند کے وارثوں کو بھی کیوں نہ اس ترمیم میں شامل کر لیا جائے؟

(۳) اگر شریعت تیرہ سو برس تک امت سے مخفی نہیں رہی ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ قانون شریعت کی رو سے بیٹے بیٹی اور بہن کی اولاد اپنے سے اعلیٰ درجہ کے وارث کی موجودگی میں محجوب الارث ہی قرار دی گئی ہے چونکہ یہ اصول قائم مقامی کے بغیر وارث نہیں ہوسکتے اور اصول قائم مقامی پر عمل قرآن کے واضح احکام کو نظر انداز کئے بغیر ہو نہیں سکتا۔ لہذا محجوب الارث کا مسئلہ قرآن کا واضح حکم نہ سہی لیکن اس کے واضح احکام کی تعمیل کا لازمی تقاضا (Corollary) ضرور ہے۔

اگر یہ کہنے کی بجائے کہ " شریعت میں کوئی ایسی واضح ممانعت موجود نہیں ہے کہ یہ اشخاص مورث کی دوسری اولاد کی موجودگی میں محجوب الارث ہی ٹھہریں گے۔"

--- یوں کہا جاتا کہ " چونکہ اسلامی قانون وراثت کی مخصوص وضع و مزاج کے باعث اصول قائم مقامی اس میں جاری نہیں ہو سکتا جس کی وجہ سے بعض محجوب الارث وارثوں اور خصوصاً یتیم پوتوں کو مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے لہذا ان یتامی کے معاشی مستقبل کی حفاظت و بہبود کے لئے--- جو از روئے قرآن ضروری ہے--- فلاں تجویز (مثلاً قانون وصیت یا حکومت کی کفالت یا ایک مخصوص استثناء وغیرہ) پیش کی جاتی ہے۔"

تو یہ کہنے میں البتہ کوئی بات بھی تھی جب آپ کے خیال میں شریعت میں ممانعت ہی نہیں تو یہ بل ہی کس لئے تجویز کیا گیا۔ تفنن طبع کے لئے

Marfat.com

زیر بحث پر آنریبل مسٹر جسٹس جے آر چسن صاحب جج ہائی کورٹ لاہور (Hon`ble Mr.Justice J.Ortcheson) کی رائے جو انہوں نے بحیثیت ایک فاضل قانون دان ہونے کے ظاہر کی ہے--- کا ذکر کیا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:-

.In my opinion if the principle laid down in the bill is in accordance with the Shariat, it is unnecessary, or if it is against the Shariat, it is invalid."(2)

یہ تو بل کے اغراض و مقاصد پر تبصرہ تھا۔ اب ذرا اصل مطلوبہ ترمیم ملاحظہ فرمائیں:-

--- "جب کوئی بیٹا بیٹی یا بھائی یا بہن اپنے مورث سے وراثت پانے سے پہلے فوت ہو جائے--- تو ان کا حق وراثت بوقت تقسیم وراثت مورث ان (فوت شدہ) کے اپنے "جانشینوں اور وارثوں" کی طرف منتقل کیا جائے گا (اور یہ سمجھ لیا جائے گا) کہ گویا اشخاص متذکرہ بالا اپنے مورث (آخری مالک) کی وفات کے فوراً بعد مرے تھے۔"

مقالہ کے حصہ دوم کے مطالعہ کے بعد ان غلط فہمیوں اور مشکلات و مفسدات کا دریافت کر لینا دشوار نہیں ہے جو یہ ترمیم اپنے اندر پنہاں رکھتی ہے(۳)۔ دراصل یہ ترمیم بالکل اسی اصول پر مبنی ہے جس سے ہم مفصل بحث کر چکے ہیں (۴)۔ یعنی یہ کہ "ہونے والے وارثوں" کی موت کی صورت میں ان کا حصہ ان کے اپنے وارثوں اور جانشینوں کو منتقل کر دیا جائے--- البتہ ان "ہونے والے وارثوں" میں سے صرف بیٹا بیٹی بھائی بہن منتخب کئے گئے ہیں معلوم نہیں والدین اور زوجین کو کیوں اس رعایت سے محروم کیا جا رہا ہے؟

دراصل ترمیم میں "کوئی بیٹا یا بیٹی" اور "ان کے جانشینوں اور وارثوں" کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ محرک اور مجوز کے ذہن میں وارث اور جانشین کا مطلب اولاد اور صرف اولاد ہے--- (جو خالص ہندو نظریہ ہے) قرآن حکیم کے

Marfat.com

چھ بنیادی وارثوں (بیٹا بیٹی ماں باپ بیوی خاوند) کو ذہن میں رکھنے کے بعد اس ترمیم کے مہمل' ناقابل عمل اور قرآن کے واضح اور ظاہرا احکام میراث سے لاعلمی پر مبنی ہونے میں کچھ شبہ نہیں رہ جاتا۔

یہ ہو سکتا ہے کہ اس ترمیم کے الفاظ مین ترمیم کرکے اسے اس قسم کے استثناء کی شکل دی جائے جس کا ذکر مقالہ کے صفحہ ۱۰۳ پر ہو چکا ہے۔ لیکن بہر حال پھر بھی یہ اس مسئلہ کا تسلی بخش حل نہیں ہوگا اور فوائد سے زیادہ اس میں خطرات ومفسدات مضمر ہیں۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ اس قسم کے استثناء کی ضرورت بھی اس وقت درپیش آسکتی ہے (۵) جب قانون وراثت' قانون ہبہ اور قانون وصیت تینوں نافذ ہوں اور پھر بھی کچھ ایسے واقعات (Cases) سامنے آئیں جسے کسی خاص "آسمانی افتاد" نے ان تمام قوانین سے متمتع نہ ہونے دیا ہو۔ اور پھر "ایسی مخصوص صورتوں" کے حل کے لئے بھی یہ سوچا جائے گا کہ اس میں سب سے پہلے وہ طریقہ اختیار کیا جائے جو اسلام کی نظروں مین زیادہ ضروری ہے مثلاً حکومت کی کفالت--- اور اگر اس بہتر طریقہ کے اختیار کرنے میں کوئی قابل قبول عذر اور مجبوریاں موجود ہوں تب اس صورت میں بے شک اس قسم کے استثناء کو زیر غور لایا جاسکتا ہے اور جائز بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن جو سب سے آخر کی چیز ہے اسے سب سے پہلے لانا سراسر تحکم اور نادانی ہے۔ اسلامی احکام و مسائل پر بحث کرتے وقت ضد' ہٹ دھرمی اور فتح و شکست کے نظریوں سے سوچنے کی بجائے تقوی' خوف خدا' اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور احترام دین کے جذبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

وذالك فضل الله يوتيه من يشاء والله ذوالفضل العظيم.

(اس کے بعد آگے ضمیمہ ب ضرور ملاحظہ فرمائیں)

ضمیمہ ب

اگرچہ مقالہ "یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ" خالص علمی ضرورت اور مقصد کے ماتحت لکھا گیا ہے لیکن چونکہ یہ بحث ایک خالص قرآنی حکم سے متعلق تھی۔ اس لئے بحیثیت ایک طالب علم کے نہیں بلکہ بحیثیت ایک مسلمان کے--- اور دراصل سب حیثیتوں سے مقدم یہی حیثیت ہے--- یہ عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ جب سے میں نے اس مسئلہ کی تحقیقات ' اور اسے سمجھنے کی کوشش شروع کی تھی۔ میں اپنی اکثر نمازوں کے ساتھ بالالتزام اللہ تعالی سے بصدق دل دعا مانگتا رہا ہوں۔کہ وہ اس مسئلہ کے متعلق راہ حق اور صورت صواب پر میرے دل کو مطمئن کر دے۔ اس دوران میں بار بار میری رائے بدلتی بھی رہی ہے۔ لیکن بالاخر مسلسل مطالعہ ذاتی بحث و مباحثہ اور آزادانہ غور و فکر کے بعد میں نے اس مسئلہ کے متعلق مختلف آراء کا تجزیہ کر کے جو کچھ شرح صدر کے ساتھ سمجھا ہے اسے مقالہ میں پیش کر دیا ہے--- اپنی بساط بھر پوری علمی سعی و کوشش اور اپنی پر خلوص دعاؤں کے بھروسے پر کہہ سکتا ہوں کہ اللہ تعالی نے مجھے گمراہی سے محفوظ رکھا ہو گا۔ تاہم میں یہی کہتا ہوں کہ اگر میں نے حق سمجھا اور کہا ہے تو یہ محض اللہ تعالی کی طرف سے ہے اور اس کی مہربانی ہے--- اور اگر خدانخواستہ میں نے کوئی غلط رائے قائم کی ہے یا غلط بات بیان کی ہے تو وہ میری طرف سے ہے اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اور اس کے لئے اہل حق و ہدایت سے اصلاح کا اور اللہ تعالی سے مغفرت اور عفو کا طلبگار ہوں۔

"ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب".

Marfat.com

حواشی اور حوالہ جات

(۱) دیکھئے کتاب ہذا کا صفحہ ۸۲-۸۳

(۲) پنجاب مقننہ (اسمبلی) کی طبع کردہ پبلک آراء اس مسئلہ پر (انگریزی میں) صفحہ ۲

(۳) اس ضمن میں "Opinion" یعنی "پنجاب" مقننہ کی طبع کردہ پبلک آراء میں آنریبل جسٹس کیکاؤس (صفحہ ۱) چوہدری فضل حق سیشن جج کیمپلپور (صفحہ ۷۵) اور سینئر سول جج مظفر گڑھ (ضمیمہ آراء صفحہ ۳-۷) کی آراء قبل ملاحظہ ہیں

(۴) کتاب ہذا صفحہ ۱۶

(۵) اور اس قسم کے استثناء کو ہر صورت میں اور ہر قیمت پر ناجائز کہنا اور مطلقاً اس کے تصور کو ہی سراسر خلاف قرآن سمجھ لینا--- بھی روح قرآن و اسلام سے بے خبری ہے۔ کیونکہ کسی ایسے مقصد شرعی کی حفاظت کرنا جس کا مقصد شرعی ہونا کتاب و سنت یا اجماع سے معلوم ہو اور اس کا مقصود ہونا دلائل کے مجموعہ و قرائن حالات سے معلوم ہو تو اس کی پیروی کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے یہی موالک کا استصلاح اور احناف کا استحسان ہے۔ اور متذکرہ بالا شرائط کے ساتھ یتیم کا مسئلہ یقیناً ایک "مقصد شرعی" بن جاتا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

ضمیمہ ج

یہ مقالہ ۵۴۔ ۱۹۵۳ء میں ایم اے "اسلامیات" کے ایک پرچے کے طور پر امتحانی ضرورت کے ماتحت لکھا گیا تھا۔ آج چالیس برس کے بعد شائع کرتے وقت اسے "تازہ ترین" (Up-to-date) کرنے کے لئے بعض وضاحتیں ضروری معلوم ہوتی ہیں۔ ان میں سے بعض تو معمولی وضاحتیں ہیں جن کو اصل مقالہ میں تعلیقات و حواشی کی شکل میں بھی جگہ دی جاسکتی تھی۔ لیکن علمی دیانتداری کے پیش نظر مناسب معلوم ہوا کہ مقالے کو تو (بعض منشیانہ اغلاط کی درستی کے علاوہ) جوں کا توں ہی چھاپا جائے۔ یہ راقم الحروف کے زمانہ طالب علمی کی یادگار ہے اور اس میں عبارت اور اسلوب کی بعض طالب علمانہ خامیاں موجود ہیں (مثلاً کئی جگہ ضمیر واحد متکلم کا استعمال یا طریق حوالہ میں بعض کوتاہیاں) تاہم ان سے اصل نفس مقالہ پر' اس کے استدلال اور طریق استنباط پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

☆ ان معمولی ایک دو سطری وضاحتوں کے علاوہ بعض ایسی اضافی معلومات ہیں جن کا تعلق مقالہ ہی کے کسی حصے سے ہے--- تاہم اس ملحق یا ضمیمہ کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ ۱۹۵۳ء سے اب تک یہ مسئلہ (جو موضوع مقالہ ہے) ان مسائل میں شامل رہا ہے جو ہماری دینی اور سیاسی زندگی میں اضطراب اور ہیجان کا باعث رہے ہیں۔ لہذا "تکملہ" کے طور پر اس مسئلہ کے بارے میں مختلف تبدیلیوں اور تغیرات (Developments) کا ذکر بھی ضروری ہے۔ جو اس عرصے میں سامنے آئیں۔ تفصیل ان وضاحتوں' اضافوں اور تکملہ کی یوں ہے:-

☆ مقالہ کے مقدمہ میں شعبہ علوم اسلامی (ابتداء میں شعبہ کا سرکاری نام بھی "اسلامیات" ہی تھا۔ اس زمانے کے یونیورسٹی کیلنڈر اور ہماری اسناد میں یہی

Marfat.com

نام درج ہے بعد مین اس کا انگریزی نام "اسلامک سٹڈیز" رکھا گیا جس کا ترجمہ عموماً "علوم اسلامیہ" کیا جاتا ہے۔ ویسے "علوم اسلامی" زیادہ خالص فارسی ترکیب ہے۔) کی "مختصر مگر جامع" لائبریری کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ شعبہ کا بالکل ابتدائی دور تھا۔ اس کی بنیاد ہمارے قابل صد احترام استاد اور صدر شعبہ علامہ علاؤ الدین صدیقی رحمہ اللہ نے ۱۹۵۰ء میں رکھی تھی (جن کو راقم نے مقدمہ مقالہ مین "مدظلہ" لکھا ہے اور جن کی وفات ۱۹۷۸ء میں ہوئی)۔ اس وقت شعبہ اولڈ کیمپس میں واقع موجودہ فائن آرٹس' کے شعبہ کے دو کمروں میں قائم تھا اور شعبہ کی لائبریری واقعی بہت "مختصر" مگر جامع تھی۔ علامہ صاحب کے ذوق انتخاب نے اس لائبریری کو بڑی وسعت دی۔ ۱۹۶۱ء میں جب شعبہ اولڈ کیمپس میں ہی اپنی نو تعمیر کردہ عمارت میں منتقل ہوا تو یہ لائبریری خاصی بڑی ہو چکی تھی۔ ۱۹۸۷ء سے شعبہ شیخ زاید اسلامک سنٹر (نیو کیمپس) کی شاندار عمارت میں بطور ادارہ (Institute) کام کر رہا ہے اور اس کی لائبریری لاہور کی بہترین لائبریریوں میں شمار ہوتی ہے اور ہمارے استاد محترم کے ہاتھ کا لگایا ہوا یہ پودا آج " اصلھا ثابت و فرعھا فی السماء" کا ایک منظر ہے۔

☆ مقالہ میں کئی جگہ اسلامی تاریخ کی تیرہ صدیوں یا ساڑھے تیرہ صدیوں کا ذکر آیا ہے۔ اب ہجری تاریخ کے لحاظ ۱۴۱۳ھ ہے۔ مقالہ آج سے چالیس سال پہلے لکھا گیا تھا۔

☆ مقالہ میں بعض مقامات کے پرانے (اس زمانے والی) نام لکھے گئے ہیں مثلاً منٹگمری (جو اب ساہیوال کہلاتا ہے) اور کیمبل پور (جو اب اٹک ہے) ۔ ان مقامات کے نئے نام وہی ہیں جو دراصل انگریزوں سے پہلے انکے نام تھے۔

☆ رسالہ "طلوع اسلام" کا ذکر مختلف حوالوں سے کراچی سے شائع ہونے والے رسالے کے طور پر آیا ہے۔ غالباً ۱۹۶۰ء کے لگ بھگ یہ ادارہ ۲۵۔ بی گلبرگ لاہور میں آگیا تھا اور یہ رسالہ اب یہاں سے نکلتا ہے۔ اس کے بانی مدیر

غلام احمد پرویز صاحب تھے۔

☆ ہمارے اس مقالہ کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صورت مسئلہ پر فقہ حنفی اور فقہ جعفری (سنی شیعہ) ہر دو کے موقف' اس کی بنیاد اور ان کے طریق استدلال سے بحث کی گئی ہے۔ اس پر سنی شیعہ اختلاف کے ساتھ ساتھ ایسی مثالیں (وراثت کی) بھی پیش کی گئی ہے۔ جہاں طریق استدلال کے فرق کے باوجود نتیجہ (حل مسئلہ) ایک ہی نکلتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ مقالہ اہل السنّت اور اہل تشیع دونوں کو اس مسئلے پر ایک دوسرے کا موقف سمجھنے میں مدد دے گا۔ بلکہ اس سے اس مسئلہ پر امت کے اتفاق اور اجماع کی وجہ بھی معلوم ہو گی۔

☆ راقم الحروف نے مقالہ کے مقدمہ میں اس مسئلہ پر تحقیق کا محرک تو تحصیلدار صاحب والا واقعہ بیان کیا ہے۔ تاہم جب میں مقالہ لکھنے کے لئے اور اپنے ذہن کو آمادہ کرنے کے لئے ابتدائی مطالعہ میں مصروف تھا اور مسئلہ کے "قدیم پہلو" (یعنی فقہائے متقدمین کے مطابق صورت مسئلہ کے فہم) کو واضح کرنے کی کوشش میں لگا تو مجھے اس کے لئے شیعہ سنی ہر دو کی فقہ فرائض کے مطالعہ کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ اپریل ۱۹۵۲ء کے ترجمان القرآن میں مولانا مودودی صاحب مرحوم و مغفور نے یتیم پوتے کے محجوب الارث ہونے کی شرعی حقیقت پر ایک استفسار کے جواب میں لکھ دیا کہ "--- یہ مسئلہ فقہاء اسلام میں متفقہ چلا آتا ہے اور جہاں تک مجھے معلوم ہے اس میں شیعوں کے سوا کسی نے اختلاف نہیں کیا--- الخ" مولانا مرحوم کا یہ لکھنا شیعہ فقہ فرائض سے لاعلمی پر مبنی تھا۔ چنانچہ ان ہی دنوں حافظ کفایت حسین صاحب مجتہد مرحوم نے بذریعہ اخبار مودودی صاحب مرحوم کے اس "الزام" کی تردید کی اور بتایا کہ "شیعہ کے مطابق تو پھوپھی بھی اپنے یتیم بھتیجے کو محجوب کرتی ہے" مقالہ نگار نے اس سلسلے میں حافظ صاحب مرحوم سے ان کے گھر پر ملاقات کر کے ان سے اس مسئلہ پر شیعہ موقف سمجھنے کے لئے اہم کتابات کی فہرست بھی لی تھی۔ مقالہ کے حصہ اول خصوصاً

باب پنجم "مقام حیرت" کے مطالعہ سے ساری بات واضح ہو جاتی ہے۔ غالباً اس مسئلہ پر شیعہ سنی (بلکہ پوری امت کے) موقف کی یکسانایت کا یہ "بارگراں" ہی متجددین حضرات کے لئے ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔

☆ مولانا حافظ اسلم جے راجپوری صاحب کے مقالہ "محجوب الارث" کے جون جولائی ۱۹۸۱ء کے رسالہ معارف اعظم گڑھ میں اور پھر ادارہ طلوع اسلام کی کتاب "تین اہم مسائل" میں شائع ہونے کا ذکر مقالہ میں ہوا ہے۔ اس کے بعد پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کی اس مسئلہ پر شائع کردہ پبلک آراء (Opinions) میں بھی یہ مقالہ "ادارہ طلوع اسلام" ہی کے ایک وضاحتی مضمون کے ساتھ شائع ہوا تھا۔ پھر یہی مقالہ "ادارہ طلوع اسلام" ہی کے ایک وضاحتی مضمون کے ساتھ شائع ہوا تھا۔ پھر یہی ہفت روزہ "چٹان" ۷ اور ۱۴ مارچ ۱۹۵۴ء میں شائع کرایا گیا تھا۔ (یہ اشاعتی حوالے اس لیے دیئے گئے ہیں کہ جو حضرات اس کا مطالعہ کرنا چاہیں ان کو اس کے حصول میں آسانی ہو) جیراجپوری صاحب نے اپنے اس مقالہ میں یتیم پوتے کے محجوب الارث ہونے کے مسئلہ کے علاوہ حنفی فقہ فرائض پر کچھ مزید اعتراضات بھی کئے ہیں (مودودی صاحب مرحوم کی طرح غالباً جیراجپوری صاحب کی نظر بھی جعفری فقہ فرائض پر نہیں تھی۔ جس کا ثبوت ان کا "دادا کا اپنے پوتے کا وارث بننا" والی مثال پیش کرنا ہے۔ جو شیعہ کا موقف نہیں ہے)۔ مولانا جیراجپوری صاحب کے اس مقالہ میں جتنا حصہ "یتیم پوتے کی وراثت کے مسئلہ" سے متعلق تھا۔ اس پر ہم مقالے میں بحث کر چکے ہیں (دیکھئے مقالہ کا دوسرا حصہ باب دوم) باقی مسائل ہمارے لئے غیر متعلق تھے۔ اس لئے ہم ان کی تفصیل میں نہیں گئے تھے۔ البتہ مختصراً ان مسائل میں بعض کلیات کے متصادم ہونے' یا ان کے مختلف مذاہب فقہ کے درمیان متنازعہ فیہ ہونے کا ذکر کر دیا تھا (دیکھئے مقالہ کے دوسرے حصے میں باب دوم کی فصل اول) مولانا جیراجپوری صاحب کا یہ مقالہ بڑے علمی اور فقہی انداز میں لکھا گیا ہے لہذا اہل علم حضرات کے پڑھنے اور غور

Marfat.com

کرنے کی چیز ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ اہل علم کس طرح غلط فہمیوں کا شکار ہوتے ہیں اور کس طرح مغالطے دیتے ہیں۔

☆ مقالہ میں "سید غلام احمد بی اے پلیڈر منٹگمری" کے مختصر سے پمفلٹ "یتیم پوتے کا حق وراثت" کا ذکر آیا ہے۔ کتابیات میں بھی اور ایک دو نکات کی عمدہ وضاحت کے ضمن میں بھی مقالہ کے اندر بطور حوالہ بھی--- بعد میں سید صاحب گوجرانوالہ میں "سید غلام احمد رضوی ایڈووکیٹ" کے معروف نام اور لقب سے پریکٹس کرنے لگے۔ انہوں نے محمد اقبال چیمہ صاحب کے مجوزہ ترمیمی بل (جس کا ہمارے مقالہ میں بھی ذکر آیا ہے) کے علاوہ--- اس زمانے میں اس موضوع پر اخبارات میں شائع ہونے والے بعض مضامین (اور خطوط) کے جواب میں بھی مضمون لکھے (جو اخبارات میں بھی چھپتے رہے) اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انہوں نے مولانا اسلم جیراجپوری صاحب کے مقالہ "محجوب الارث" میں بیان کردہ تمام مثالوں سے مفصل بحث کی ہے (جن سے ہم نے موضوع مقالہ سے غیر متعلق ہونے کی بناء پر تعرض نہیں کیا تھا) اور ان مثالوں میں پوشیدہ مغلط فہمیوں کو واشگاف کیا ہے اور یہ جیراجپوری صاحب کے مقالہ کا نہایت عمدہ قانونی اور فقہی محاسبہ ہے۔ سید غلام احمد صاحب کے یہ جملہ "مضامین" اب کتابی شکل میں اپنے اسی ابتدائی عنوان "یتیم پوتے کا حق وراثت" کے ساتھ انجمن خدام القرآن ماڈل ٹاؤن لاہور نے شائع کر دیئے ہیں۔ احقاق حق اور طلب تحقیق کا تقاضا ہے کہ اہل علم ان دونوں رسالوں کا مطالعہ کریں۔ یہ تقابلی مطالعہ مسئلہ کی تہ تک پہنچنے میں مددگار ثابت ہوگا اور ان کے مطالعہ کے لئے ہم نے "اہل علم" کی شرط اس لئے لگائی ہے کہ یہ دونوں رسائل فنی اور قانونی ہیں لہذا ... مطلق کسی مڈل میٹرک پاس "عوامی" کے پڑھنے کی چیز نہیں ہیں۔ فقہ اور قانون سے واقف آدمی ہی ان دونوں کتابچوں کو پڑھ کر خطا اور صواب میں تمیز کر سکتا ہے۔

☆ مقالہ کے دوسرے حصے کے باب سوم میں "وجوب وصیت" اور "آیۃ

Marfat.com

الوصیۃ" کے نسخ اور عدم نسخ پر بات کی گئی ہے۔ یہاں اس مضمون کو ایک عملی مثال کے ذریعے سمجھانے کے لئے مندرجہ ذیل معلومات کا اضافہ مناسب معلوم ہوتا ہے:-

حضرت شاہ ولی اللہؒ دہلوی نے "الفوز الکبیر" میں نسخ فی القرآن پر بحث کرتے ہوئے ایسوطیؒ کی "الاتقان" کے حوالے سے لکھا کہ انہوں نے ۲۱ آیات کو منسوخ قرار دیاہے۔ اس پر شاہ صاحب نے تعقبات کئے اور ۱۵--۱۶ آیات (ناسخ منسوخ) میں تطبیق کی صورت پیدا کر دی ار صرف پانچ آیات کو "واقعی منسوخ" قرار دیا۔ ان میں سے ایک یہ آیت الوصیۃ (البقرہ: ۱۸۰) بھی ہے۔ ہمارے استاذ مکرم علامہ علاؤ الدین صدیقی مرحوم اپنے استاذ مولانا احمد علی لاہوریؒ کے حوالے سے بیان کرتے تھے کہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ان پانچ آیات میں بھی تطبیق کی صورت پیدا کر دی تھی اور یوں ان کے نزدیک قرآن کریم کی کوئی آیت نسخ کی اصطلاحی تعریف (کسی حکم کا ہمیشہ کیلئے ہر شخص کے لئے ختم ہو جانا) کے لحاظ سے منسوخ نہیں ہے--- مولانا سندھیؒ کہتے تھے کہ "باقی لوگوں کے لئے وصیت کرنا واجب ہے۔"--- مولانا ایک سکھ کنبہ سے مسلمان ہوئے تھے مگر ان کی والدہ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی والدہ کو بڑے احترام سے ساتھ رکھتے تھے بلکہ انہوں نے اپنی والدہ کی فرمائش پر مولانا احمد علی لاہوریؒ کو (جو مولانا سندھیؒ کے عزیز اور تلامذہ میں سے بھی تھے) "ہر دوار یاترا" کے لئے اپنی والدہ کے ہمراہ بھیجا تھا--- اب چونکہ ان کی والدہ غیر مسلم ہونے کے باعث بیٹے کی وراثت سے حصہ نہیں پاسکتی تھیں۔ اس لئے مولانا سندھیؒ اس آیت کی رو سے اپنے لئے وصیت برائے والدہ واجب سمجھتے تھے اور بات بھی درست تھی۔

☆ اب ہم مقالہ کے "تکملہ" کے طور پر ان حالات و واقعات اور قانونی اقدامات کا ذکر کریں گے جو ۱۹۵۳ء کے بعد سے اب تک ظہور پذیر ہوئے اور جن کا "یتیم پوتے کی وراثت کے مسئلہ" سے تعلق ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

باب ۱۹۴۸ء میں

West Panja

Act. (Act IX

کے اندر ترمیم کے

بحث کر چکے ہیں۔

اد کیلئے اپنے تلمیذ

ہے کیونکہ اس کا

منظر" کے مسودہ

وراثت کا مسئلہ"

سے اس مسئلے کے

وابستہ رہی ہے۔

کے استحصال اور اشتعال کا ایک نہایت کارگر حربہ ثابت ہو سکتا تھا (اور ہوا) آخر کمیونزم بھی تو "بیچارے" محنت کشوں اور "مظلوم" مزدوروں کے سر پر ہاتھ رکھنے کے لئے ہی اٹھا اور چھا گیا تھا اور ستر سال تک ایسا چھایا رہا کہ پھر کسی بھوکے کو رونے بھی نہیں دیا جاتا تھا۔

بہر حال یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا اب ہم اپنے موضوع یعنی پاکستان میں " یتیم پوتے کی وراثت کے مسئلہ " پر بحث مباحثہ اور قانون سازی وغیرہ سے متعلق گزشتہ چالیس برس کے واقعات اور اقدامات کا ذکر کریں گے۔

☆ ربط مضمون کے لئے بات دسمبر ۱۹۵۳ء سے شروع کرنا مناسب ہے جس کا کچھ حصہ پہلے مقالہ میں مذکور ہوا تھا--- دسمبر ۱۹۵۳ء میں چوہدری محمد اقبال چیمہ صاحب نے پنجاب اسمبلی یں جب اپنا ترمیمی بل (بل نمبر ۸ سال ۱۹۵۳ء) پیش کیا تو اسمبلی نے اس مسئلہ پر صوبہ کے تمام اعلی ججوں ' سرکاری محکموں کے سربراہوں۔ ڈسٹرک اینڈ سیشن ججوں۔ سول ججوں۔ ڈپٹی کمشنروں اور دوسرے ضلعی افسروں۔ میونسپل کمیٹیوں' ڈسٹرکٹ بورڈوں (جو اب ڈسٹرکٹ کونسل کہلاتے ہیں) پبلک تنظیموں' انجمنوں' اداروں اور دینی مدرسوں کے علاوہ پبلک سے انفرادی آراء بھی طلب کیں۔ یہ آراء (جن کے مقالہ میں حوالے بھی ہیں) ۱۲ صفحہ کے ایک ضمیمہ (Supplement) سمیت کل ۱۳۲ صفحات پر مشتمل ایک "رجسٹر نما" کتاب کی صورت میں ۱۷ فروری اور ۲۲ فروی ۱۹۵۴ء کو شائع کی گئی تھیں۔ ان آراء کا مطالعہ (جو بعض اردو میں ہیں اور بعض انگریزی میں) اپنی اندر عبرت اور موعظت کا سامان رکھتا ہے۔ ان میں نہایت سنجیدہ اور قابل قدر علمی آراء بھی ہیں اور انتہائی جاہلانہ اور بعض "فدویانہ" آراء بھی ہیں۔ آج کل یہ مطبوعہ آراء کہیں نہیں مل سکتی ہوں گی (غالبًا پنجاب اسمبلی کی لائبریری یا بعض دیگر معیاری لائبریریوں میں موجود ہوں گی) کیونکہ اس پر " صرف ارکان اسمبلی کے استعمال کے لئے " لکھا گیا تھا۔ ان آراء کے مطالعہ سے بے اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث

Marfat.com

"کھلونا" یا شوشہ (Issue) ثابت ہوا۔ اپوزیشن اسے اپنے سیاسی فوائد کے نقطہ نظر سے دیکھنے لگی اور سرکاری بنچ اپنے مفادات اور اپنی برتری کے نقطہ نظر سے--- اب سوال حق و باطل اور خطا و صواب کا نہیں بلکہ ہار اور جیت کا تھا۔

☆ اس کے بعد ۱۹۵۵ء میں یہ واقعہ پیش آیا کہ پاکستان کے اس وقت کے وزیراعظم محمد علی بوگرا صاحب نے اپنی بیوہ حمیدہ بانو کے ہوتے ہوئے اپنی ایک عرب نژاد سیکرٹری عالیہ سے شادی کرلی۔ ان کے سیاسی حریفوں کو وزیراعظم پر تنقید کا ایک بہانہ ہاتھ آگیا۔ مغرب گزیدہ حلقوں نے بھی مخالفوں کا ساتھ دیا اور لیڈر ٹائپ خواتین کو عورت کی مظلومیت کا رونا رونے کا خوب موقع ملا۔ ان واقعات کے پیش نظر حکومت پاکستان نے ۴ اگست ۱۹۵۵ء کو ایک "شادی اور عائلی قوانین کا کمیشن" مقرر کیا جس کا سرکاری نام تھا:

"Comission on Marriage and Family Laws"

اور جسے ہم آئندہ مختصرا "عائلی کمیشن" ہی کہیں گے۔ اس کے پہلے صدر ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین مرحوم نامزد ہوئے تھے اور ارکان میں تین مرد اور تین خواتین تھیں مرد اراکین میں ایک عالم دین مولانا حشام الحق تھانوی مرحوم شامل تے۔

☆ اس کمیشن نے ایک سوالنامہ تیار کیا جو اردو' انگریزی اور بنگالی میں شائع کرایا گیا اور دانشوروں' علماء اور عوام سے اس سوالنامہ کی روشنی میں آراء طلب کی گئیں۔ کمیشن نے ۹ موضوعات پر پچاس کے قریب سوالات مرتب کئے تھے۔ ان میں سے باقی سوالات کا تعلق تو نکاح' طلاق وغیرہ سے تھا۔ ہمارے موضوع سے متعلق اس میں یہ چیز تھی کہ وراثت اور وصیت سے متعلق پانچ سوال بھی اس سوالنامہ میں شامل تھے۔ ان میں سے بھی تین سوالات کا تعلق تو عدالتی طریق کار سے تھا۔ البتہ دو سوال براہ راست قانون وراثت سے متعلق تھے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ "کیا آپ اس تجویز کے حق میں ہیں کہ اگر پاکستان کے کسی حصے میں ابھی تک قانون وراثت اور وصیت کے بارے میں شرعی قوانین پر عمل نہیں ہو رہا تو بلا تاخیر

[illegible] کہ ان بدلے ہوئے قوانین [illegible]
ہوں۔"

[illegible] اس سوال کے جواب میں کمیشن کو کون سی [illegible]
ہوئی۔ بہرحال جیسا کہ ہم نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے اسلامی قانون وراثت اور قانون وصیت کا بیک وقت نفاذ نہ صرف ممکن بلکہ کئی دیگر مستحق غیر وارثوں کے مسائل کا نہایت عمدہ اور ٹھیک اسلامی حل تھا مگر [illegible] کمیشن نے اپنی خدمات میں اس اصل اسلامی "حل" پر توجہ نہ دی۔ اس کے عوض بحث میں الجھا رہے۔

☆ کمیشن کے اس سوالنامے میں تیسرا سوال یہ تھا--- "کیا قرآن کریم میں نص صریح موجود ہے۔ یا کسی صحیح حدیث میں یہ تصریح ہے کہ بیٹے پوتے یا پوتی یا نواسے یا نواسی کو محروم الارث کر دیا جائے۔"

اس سوال کا تعلق براہ راست ہمارے زیر بحث مسئلہ سے تھا مگر اس سوال کی عبارت یا تو اس قسم کی غلط فہمی پر مبنی ہے جس میں ہمارے تحصیلدار صاحب مبتلا تھے (دیکھئے مقالہ کے مقدمہ) اور یا پھر یہ ایک منطقی مغالطہ (Fallacy) پر مبنی ہے جسے کے مناظروں میں فریق ثانی کو زچ کرنے کے لئے اکثر استعمال کیا جاتا ہے اور جس سے بعض دفعہ وکلاء بھی کسی عدالتی اور قانونی چال میں کام لیتے ہیں۔

☆ بعض سوالوں کے جواب دو ٹوک (Categorically) "ہاں" یا "نہیں" میں (غیر مشروط طور پر) نہیں دیئے جاسکتے۔ ذرا تفصیل درکار ہوتی ہے۔ یہ اس طرح کا سوال ہے جیسے آج کل بعض بے خوار "مسلمان" یہ کہتے ہیں کہ "کیا قرآن میں کہیں شراب کو صریحاً (وہی بس صریح) "حرام" کہا گیا ہے۔ اسی طرح جو لوگ فہم دین کے لئے حدیث یا سنت کی ضرورت کے منکر ہیں ان سے پوچھا جاسکتا ہے کہ "کیا قرآن کریم میں کتے یا بندر (وغیرہ) کے گوشت کی حرمت پر کوئی نص صریح موجود ہے؟" (جس طرح خنزیر کے بارے میں ہے) اگرچہ یہ

Marfat.com

حرمتیں صرف قرآن سے بھی ثابت کی جاسکتی ہیں مگر ذرا تفصیل میں جاکر ---
مندرجہ بالا سوالوں کا دو ٹوک جواب دیکر نہیں۔

جس طرح ریاضی (الجبرا جیومیٹری وغیرہ) کے مسائل کے ثبوت میں ایک مسئلہ ثابت کرتے ہوئے کوئی دوسرا مسئلہ خود بخود ثابت ہو جاتا ہے۔ (بعض دفعہ)۔ اسی طرح قانونی (فقہی) احکام میں بھی بعض چیزیں براہ راست نہیں بلکہ کسی صریح حکم کے نفاذ یا اس پر عمل کا لازمی نتیجہ اور صریح تقاضا (Corollary) ہوتی ہیں۔ ہم مقالہ میں اس پر بحث کر چکے ہیں کہ "یتیم پوتے کا محجوب الارث ہونا لازمی نتیجہ ہے قرآن کے قانون وراثت میں اصول نیابت کے بطور قاعدہ کلیہ کے ناممکن العمل ہونے کا" (دیکھئے اصل مقالہ کا حصہ دوم باب پنجم)

اس قسم کے سوال مرتب کرنے والے (ذہن) کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی اس کا جواب یہ دے کہ "صریح حکم تو نہیں مگر---" تو اسے کہہ دیا جائے ہمیں صرف یہی "نہیں" مطلوب تھی باقی "اگر مگر" کی ضرورت نہیں (ا)

☆ بہرحال اس سوالنامہ کے جوابات موصول ہونے پر کمیشن نے حکومت کی جو سفارشات پیش کیں اس میں کہا گیا تھا کہ "کمیشن کی رائے میں یتیم پوتا اپنے دادا کی وراثت میں برابر کا حقدار ہے اس کو اس حق سے ہرگز محروم نہیں کیا جاسکتا" مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم نے ان سفارشات پر (باقی سفارشات کا تعلق تو نکاح طلاق ازدواج وغیرہ سے تھا) اپنا طویل وضاحتی اختلافی نوٹ لکھا تھا اس میں اس مسئلہ پر بھی ان کا موقف فقہاء متقدمین والا ہی تھا--- انہوں نے کمیشن کی سفارشات کو من حیث المجموع "افتو منون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض" کی عملی تفسیر قرار دیا تھا۔ کمیشن کی اصل رپورٹ کا گزٹ نوٹیفکیشن ۲۰ جون ۱۹۵۶ء کو آیا تھا۔ جبکہ مولانا تھانوی کے اختلافی نوٹ (جو خاصا طویل تھا) کا گزٹ ۳۰ جون ۱۹۵۶ء کو آیا۔ اس کے چھاپنے میں یہ تاخیر خود حکومت نے نامعلوم وجوہ کی بنا پر کی

تھی۔

عائلی کمیشن کی سفارشات سامنے آئیں تو علماء کی اکثریت اور ان کے تابع اثر عوام کی طرف سے شدید رد عمل بھی سامنے آیا۔ حکومت ان سفارشات کو قانوناً نافذ کرنے کی جرائت نہ کر سکی (حکومت کا سیاسی عدم استحکام بھی اس کا باعث بنا) اس کی بجائے حکومت نے ٹالنے اور وقت گزارنے کے لئے ایک "اسلامک لاء کمیشن" قائم کیا "جو عائلی سفارشات کا بھی جائزہ لے گا۔" اس کمیشن کا ابھی شاید ایک آدھ اجلاس ہی ہوا تھا کہ ۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو جنرل ایوب خان آئین اور جمہوریت کی بساط لپیٹ کر بذریعہ مارشل لاء ملک پر مسلط ہوگئے۔

☆ مارشل لاء کے ابتدائی دنوں میں کمیشن کی سفارشات سے توجہ ہٹ گئی تھی۔ چونکہ آئین ہی منسوخ کر دیا گیا تھالہذا یہ سمجھا گیا کہ شاید یہ سفارشات بھی کالعدم ہوگئی ہوں گی۔ تاہم ۱۹۵۹ء میں "اپوا" (انجمن بیگمات پاکستان) کی طرف سے عائلی کمیشن کی سفارشات کو عملاً (قانوناً) نافذ کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ جس کی تجدد پسند حلقوں اور جرائد نے بھی حمایت کی--- ایوب خان خود بھی بے دین (Secular) ذہن رکھتے تھے اور شاید کمال پاشا کی طرح وہ تجدد کا تاج بھی اپنے سر پر رکھنا چاہتے تھے۔ بہر حال "اپوا" کے اس مطالبے کے پیش نظر ۲ مارچ ۱۹۶۱ء کو "مسلم فیملی لاز (عائلی قوانین) آرڈی نینس کی صدارتی حکم جاری ہوا۔ جس میں کمیشن کی سفارشات کو قانونی حیثیت دے دی گئی۔ اس کا پورا سرکاری نام (Muslim family laws ordinance (VIII of 1961) ہے۔ بعض انتظامی امور کی وجہ سے اس کا نفاذ موخر کر دیا گیا۔ بالاخر آرڈیننس کا عملاً نفاذ ۱۵ جولائی ۱۹۶۱ء سے ہوا۔ اس وقت سے اب تک یہ قوانین پاکسان میں جاری چلے آتے ہیں۔

☆ اس آرڈی نینس کی دفعہ نمبر ۴ میں یتیم پوتے کی وراثت کا قانون حسب ذیل الفاظ میں بیان ہوا ہے:

4. Succession- In the event of the death of any

Marfat.com

son or daughter of the propositus before the opening of succession, the children of such son or daughter, if any, living at the time the succession opens, shall per stirpes receive a share equivalent to the share which such son or daughter, as the case may be, would have received, if alive.

جس کا اردو ترجمہ (جو عدالتوں اور وکلاء کے لئے سند ہے) یوں کیا گیا ہے:

"وراثت کے اجراء (شروع ہونے) سے قبل مورث کے کسی بیٹے یا بیٹی کی موت کی صورت میں ایسے بیٹے یا بیٹی کی اولاد ' اگر ہو ' جو وراثت شروع ہونے پر زندہ ہوں حصہ رسدی (علی النسب) اس حصہ کے برابر پائیں گے جو ایسا بیٹا یا بیٹی اگر زندہ ہوتے تو پاتے۔"

ہم اس دفعہ کے الفاظ کے انتخاب' ان کے قانونی مضمرات اور قانون کی قرآن سے مخالفت وغیرہ پر آگے چل کر تبصرہ کریں گے۔ پہلے ذرا ہم اس مسئلہ کی بلکہ قانون کی) سیاسی تاریخ کو مکمل کر لینا چاہتے ہیں۔

☆ عائلی کمیشن کی سفارشات کو اس طرح بذریعہ آرڈی نینس نافذ کرنے پر بھی دو طرح کا ردعمل سامنے آیا۔ تجدد پسند طبقوں نے اس کی تائید اور حمایت کی۔ ان میں بعض علماء اور وکلاء کے علاوہ "اپوا" اور ادارہ طلوع اسلام پیش پیش تھے۔ "طلوع اسلام" نے تو اسے اپنی عظیم فتح سمجھا اور اس فتح کے نشے میں ۲ مارچ ۱۹۶۱ء (آرڈیننس کے اجراء کی تاریخ) کو اسلام کی تاریخ کا نو روز تک قرار دیا اور اپریل ۱۹۶۱ء میں ادارہ نے اپنے کنونشن کو اس خوشی کے جشن کے طور پر منایا۔ اس پر صدر ایوب خان کو ہدیہ تبریک پیش کیا گیا اور کہا گیا کہ چودہ سو سال کے بعد امت نے پہلی دفعہ قرآن کی طرف رجوع کیا ہے۔ نیز دعوی کیا گیا کہ "عائلی قوانین کی کوئی ایک شق بھی قرآن کے خلاف نہیں ہے۔" (باقی عائلی

Marfat.com

قوانین تو ہمارے "دائرہ بحث سے خارج ہیں مگر یتیم پوتے والی دفعہ نمبر ۴ کی قرآنیت پر اور اس سلسلے میں ادارہ طلوع اسلام کے کئی بار اپنے موقف کو بدلنے پر ہم آگے ذرا تفصیل سے لکھیں گے) حکومت میں شامل سیاستدانوں نے تو اس کی تعریف کرنی ہی تھی--- ان قوانین کے نفاذ کو صدر ایوب خان مرحوم کا عظیم اسلامی اور انقلابی کارنامہ قرار دیا گیا۔ دوسری طرف آرڈی نینس کے اجراء اور اس کے نفاذ کے درمیانی مدت میں ہی علماء نے اس پر شدید تنقید کی جس میں مولانا احتشام الحق تھانوی (جو عائلی کمیشن کے نامزد رکن رہے تھے) کے اختلافی نوٹ کی صدائے بازگشت بھی سنی گئی پنجاب کے چودہ (۱۴) علماء کے ایک بورڈ نے (جس میں بریلوی' دیوبندی اہلحدیث اور شیعہ چاروں مکتب فکر کے علماء شامل تھے) متفقہ طور پر آرڈیننس کی دفعات نمبر ۴'۵'۶'۷' اور ۱۲ کو خلاف شریعت قرار دیا (ان میں سے دفعہ ۴ ہی یتیم پوتے کی وراثت سے متعلق تھی باقی دفعات کا ہماری بحث سے تعلق نہیں)۔ اس کے بعد سرحد کے چالیس (۴۰) علماء اور مشرقی پاکستان کے چوراسی (۸۴) علماء نے بھی ان قوانین کے خلاف بھرپور احتجاج کیا۔ بعض تنظیموں (مثلاً جماعت اسلامی) اور ممتاز اہل علم (مثلاً مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم۔ کراچی) نے اپنی طرف سے متبادل اصلاحی تجاویز بھی حکومت کو پیش کی تھیں (جو یتیم پوتے کے مسئلہ کے ٹھیک اسلامی حل کو بھی محیط تھیں) مگر حکومت نے بعض جابرانہ اقدامات (مثلاً پریس آرڈی نینس کا اجراء) اور اعلانات کا راستہ اختیار کیا۔

☆ مگر اس سے عائلی قوانین کے خلاف ملک کے اندر اٹھنے والی اضطرابی لہر سیاستدانوں کے لئے "بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا" والی بات ثابت ہوئی۔ انہوں نے اس مسئلہ کی گونج اسمبلیوں تک پہنچا دی۔

۱۹۶۲ء میں مغربی پاکستان صوبائی اسمبلی میں عائلی قوانین کی تنسیخ کے بارے میں ایک قرار داد پیش ہوئی جس کے محرک رکن صوبائی اسمبلی مولانا غلام غوث ہزاروی مرحوم تھے اس کے بعد اس سال پاکستان کی قومی اسمبلی کے پہلے

Marfat.com

اجلاس میں عائلی قوانین کی تنسیخ کا بل مشرقی پاکستان کے رکن اسمبلی عباس علی خان کی طرف سے پیش کیا گیا۔ اس پر ایک دفعہ پھر ملک طول و عرض میں اضطرابی لہر دوڑ گئی۔ تقریر اور تحریر کے علاوہ مظاہروں کا سہارا بھی لیا گیا (مثلاً "اپوا" کے زیر اہتمام ۴ جولائی ۱۹۶۲ء کو اسمبلی کے سامنے خواتین کا اس مجوزہ بل کیخلاف مظاہرہ) یہ بل موافقت اور مخالفت کی بھرپور بحث اور تقریروں کے بعد رائے شماری کے نتیجے میں ۴ اکتوبر ۱۹۶۲ء کو نامنظور ہو گیا۔

☆ بل تو نامنظور ہوا مگر اس نے موافق مخالف جذبات میں خوب شدت پیدا کی۔ جس کے نتائج ۱۹۶۴ء میں ہونے والے عام انتخابات پر بھی اثر انداز ہوئے۔ ان انتخابات میں متحدہ حزب اختلاف نے برسراقتدار آنے کی صورت میں عائلی قوانین کی تنسیخ کو بھی اپنے منشور میں شامل کر لیا۔ مسئلے کے سیاسی اثرات اور سرکاری اقدامات کے حوالے سے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جنرل ایوب خان مرحوم کو غالباً عوامی ردعمل اور اسمبلی کے اندر اور باہر عائلی قوانین کی شدید مخالفت اور ردعمل میں اپنا سیاسی مستقبل مخدوش نظر آیا تو انہوں نے اپنے سابقہ جابرانہ موقف سے کچھ پسپائی اختیار کی اور اعلان کیا کہ "یہ قوانین نہ وحی آسمانی ہیں نہ حرف آخر۔ قومی نمائندے اگر چاہیں تو ان قوانین کو کثرت آراء سے مسنوخ کر سکتے ہیں"--- پھر جب ۱۹۶۴ء کے عام انتخابات میں حزب اختلاف نے عائلی قوانین کی تنسیخ کو اپنے منشور میں شامل کر کے اسے اپنی انتخابی مہم میں ایک کارگر حربے کے طور پر استعمال کرنا چاہا۔ تو حکومت کی طرف سے بھی یہ تاثر دیا گیا کہ "مرکزی اسمبلی کے آئندہ اجلاس میں ایک مسودہ قانون پیش کیا جائے گا جس کے ذریعے عائلی قوانین کی ان تمام دفعات کو جو اسلام سے متصادم ہیں کالعدم قرار دیا جائے گا۔"--- تاہم حکومت کی یہ پسپائی وقتی اور سیاسی ہی تھی الیکشن کے بعد عائلی قوانین جوں کے توں رہے۔

☆ ۱۹۶۴ء کے بعد ان قوانین پر بحث میں وہ گرماگرمی نہ رہی جس کی ایک

Marfat.com

وجہ غالباً ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ بھی تھی۔ جس نے بعض نئے موضوعات کو جنم دیا۔ جن کے سامنے یہ مسئلہ دب گیا۔ تاہم ۱۹۶۸ء میں جب صدر ایوب خان کے خلاف غم و غصہ کی لہر اٹھی اور سیاستدانوں نے عوام کے جذبات کو خوب بھڑکایا۔ تو حکومت کے خلاف اس تحریک میں دوسرے عوامل کے علاوہ "حکومت کے دامن پر عائلی قوانین کا الزام" بھی شامل تھا۔ جس کا اظہار تحریک کے دوران مختلف جلسوں میں سیاستدانوں کی طرف سے تقاریر میں کیا گیا۔ اگرچہ خود یہ سیاستدان اس مسئلے کے بارے میں مخلص نہ تھے بلکہ وہ تو "روٹی کپڑا اور مکان" کے نعرے کی طرح' اسے بھی صرف ایک کارڈ کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔ تاہم شاید یہ کہنا نرا غلط نہیں ہوگا کہ پاکستان کی سیاسی زندگی میں جنرل ایوب خان مرحوم جیسے آمر کی مضبوط حکومت کے زوال میں عائلی قوانین کا بھی دخل ضرور تھا۔

☆ صدر ایوب خان والے آئین کے مطابق یکم اگست ۱۹۶۳ء کو "اسلامی مشاورتی کونسل" کا قیام عمل میں آیا۔ اس کونسل کے پہلے صدر جسٹس ابو صالح محمد اکرم تھے۔ ان کے بعد علامہ علاؤ الدین صدیقی' جسٹس محمود الرحمٰن ' جسٹس محمد افضل چیمہ اور جسٹس تنزیل الرحمٰن صاحب یکے بعد دیگرے اس کے چیئرمین نامزد کیے گئے۔ ۱۹۷۳ء کے بھٹو مرحوم والے آئین کے تحت اس کونسل کا نام "اسلامی نظریاتی کونسل" کر دیا گیا۔ جس کے صدر ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتہ مقرر ہوئے تھے۔ اس کونسل (یا کونسلوں) کے اغراض و مقاصد میں یہ بات بھی شامل تھی کہ "وہ حکومت کو ان اسلامی امور سے متعلق مشورہ دے گی یا راہنمائی کرے گی جو حکومت کی طرف سے پوچھے جائیں گے۔"

☆ حکومت کی مذکورہ بالا پسپائی یا سیاسی لچک کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ عائلی قوانین کے بارے میں (جن میں یتیم پوتے کی وراثت کا زیر بحث مسئلہ بھی شامل تھا) حکومت کے ایماء پر کونسل نے اکتوبر ۱۹۶۴ء سے علامہ علاؤ الدین صدیقی کی

Marfat.com

زیر صدارت غور و خوض شروع کیا جو مارچ ۱۹۶۷ء تک جاری رہا اور دسمبر ۱۹۶۷ء میں کونسل نے اپنی سفارشات حکومت کو بھجوا دیں۔ اس کے بعد جنوری ۱۹۶۹ء میں (جب صدر ایوب خان کے خلاف تحریک شروع ہوگئی تھی) وزارت قانون کیطرف سے صدر پاکستان کے ایماء پر کونسل کو دوبارہ ہدایت کی گئی کہ وہ عائلی قوانین کی دفعہ نمبر ۴ (جس کا تعلق یتیم پوتے کی وراثت کے مسئلہ سے ہے) اور دفعہ نمبر ۶ (جو مسئلہ تعدد ازدواج سے متعلق ہے) پر دوبارہ غور کرکے رائے دے۔ کونسل نے اس سلسلے میں کاروائی مکمل کرکے "ستمبر ۱۹۶۹ء میں اپنا جواب حکومت کو بھجوا دیا۔ ہمیں معلوم نہیں کہ ان (دونوں دفعہ کی) سفارشات میں کونسل نے خاص یتیم پوتے کی وراثت والی دفعہ نمبر (۴) کے معاملے میں کیا موقف اختیار کیا تھا۔ اس کے بعد تقریباً دس سال (جس میں ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کا دور بھی شامل تھا) اس مسئلے پر مکمل خاموشی رہی اور کسی مزید پیش رفت کے بغیر عائلی قوانین نافذ رہے۔

☆ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو جنرل ضیاء الحق صاحب وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کا تختہ الٹ کر ملک پر مارشل لاء کے ذریعے مسلط ہوگئے۔ انہوں نے اگرچہ ملکی آئین کو روند ڈالا اور بعد میں ترامیم کے ذریعے اسے مسخ بھی کر دیا۔ تاہم انہوں نے ایوب خاب اور یحیی خان کی طرح آئین مطلقاً منسوخ نہیں کیا اور بہت سے آئینی ادارے کام کرتے رہے۔ ان اداروں مین سے ایک " اسلامی نظریاتی کونسل" بھی تھی۔

۱۵ نومبر ۱۹۷۸ء کو جنرل ضیاء الحق نے بطور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر "اسلامی نظریاتی کونسل" کو ہدایت کی کہ وہ تمام عائلی قوانین (جس میں یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ بھی شامل تھا) کا ازسرنو جائزہ لیکر رپورٹ پیش کرے۔ اس حکم نامہ کے مطابق کونسل نے ۲۹ جنوری ۱۹۷۹ء سے ۱۰ فروری ۱۹۷۹ء تک غور و خوض کرنے کے بعد اپنی سفارشات ۳۰ اپریل ۱۹۷۹ء کو حکومت کو پیش کر دیں۔ ہمیں

Marfat.com

معلوم نہیں ہوسکا کہ اس دفعہ کونسل کی سفارشات کیا تھیں اور خصوصاً عائلی قوانین کی دفعہ نمبر۴ (جس کا تعلق ہمارے موضوع سے ہے)کے بارے میں کونسل نے کیا موقف اختیار کیا--- لیکن اس عرصے میں ایک عجیب و غریب واقعہ ظہور پذیر ہوا۔

☆ کونسل کی سفارشات وصول ہونے کے بعد وزارت قانون نے اپنے مراسلہ نمبر ۲۲۸۹/۷۹ مورخہ ۵ جنوری ۱۹۸۰ء کے ذریعے یہ سخت فیصلہ سنا دیا (یا سفارش کردی) کہ عائلی قوانین مجریہ ۱۹۶۱ء تمام کے تمام قرآن و سنت کے منافی ہیں لہذا ان کو مکمل طور پر منسوخ کر دینا چاہئے۔ مراسلہ کی عبارت یوں ہے:

The Muslim family laws ordinance of 1961 is utterly un-Islamic. It is against the Holy Quran and Sunnah. It has dared to amend the Quranic Law to the extent of IRTIDAD and its existence is a slur, a Blot on the religion, the name of Islam and our Islamic country. Such a legislation or even its name need not be protected. Let us clean this blot altogater by its total REPEAL.

یعنی "مسلم عائلی قوانین تمام کے تمام غیر اسلامی ہیں۔ یہ کتاب و سنت کے منافی ہیں۔ ان کے ذریعے ارتداد کی حد تک قرآنی قوانین میں ترمیم کی جسارت کی گئی ہے اور ان قوانین کا وجود مذہب اسلام اور ہمارے اسلامی ملک کے دامن پر ایک داغ اور (اسلام کے شفاف چہرے پر) ایک سیاہ دھبہ ہیں۔ ان قوانین کا نام و نشان بھی مٹا دینا چاہئے اور ان کو کاملا منسوخ کرکے اس داغ کو صاف کر دینا چاہئے۔"

☆ وزارت قانون کے اس مراسلہ پر اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنے اجلاس منعقدہ کراچی (۱۷' ۱۸ جون ۱۹۸۰ء) میں غور کیا اور یہ قرار داد منظور کی۔

"اگرچہ اسلامی نظریاتی کونسل نے قبل ازیں مسلم عائلی قوانین میں ترامیم تجویز کی تھیں مگر وزارت امور مذہبی اور وزارت قانون دونوں کا خیال ہے کہ اس قانون کو سرے سے ختم کر دیا جائے۔ کونسل کو اس اقدام پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ تاہم کونسل کے تین اراکین بشمول خاتون رکن اس قانون کو مکمل ختم کرنے کی تجویز سے متفق نہیں ہیں اور وہ کونسل کی تجویز کردہ ترامیم کے حق میں ہیں۔"

ہمیں معلوم نہیں کہ کونسل نے عائلی قوانین کی دفعہ نمبر ۴ (جو یتیم پوتے پوتی کی وراثت سے متعلق ہے) میں بھی کوئی ترمیم تجویز کی تھی یا نہیں اور اگر کی تھی تو وہ کس نوعیت کی تھی---تاہم کونسل نے جب وزارت قانون اور مذہبی امور کو مذکورہ بالا فیصلے سے اتفاق کر لیا۔ تو اس کے بعد کونسل کی اپنی ترمیمی تجاویز کی ویسے بھی کچھ حیثیت باقی نہ رہی۔

☆ اس کے بعد ۲۲ ستمبر ۱۹۸۱ء کو کونسل نے ازخود یہ سفارش پیش کی کہ "مسلم پرسنل لاء (عائلی قوانین) کو بھی وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار (سماعت) میں شامل کر دیا جانا چاہئے کیونکہ کونسل کی سابقہ سفارشات پر بھی عملدرآمد نہیں ہو سکا (اور وزارت قانون کی سفارش یا فیصلے کو بھی نافذ یا قبول نہیں کیا گیا تھا) اگر یہ قوانین اس عدالت کے دائرہ اختیار میں دیدیئے جائیں تو عدالتی فیصلوں کا نفاذ لازمی ہوگا" کونسل کی طرف سے یہ سفارش ۲۶ ستمبر ۱۹۸۱ء کو وزارت امور مذہبی کے توسط سے صدر مملکت کو بھیجی گئی۔

اس سفارش کے بعد وزارت امور مذہبی نے کونسل کو مطلع کیا کہ "مسلم پرسنل لاء کو وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار سماعت میں لانے کی تجویز پر کابینہ کے اجلاس منعقدہ ۱۵ مارچ ۱۹۸۲ء میں غور کیا گیا۔ لیکن کابینہ نے کونسل کی اس سفارش کو منظور نہیں کیا۔"

☆ اس طرح ایک مارشل لاء کے نافذ کردہ اور دوسرے مارشل لاء کے تحفظ واوہ یہ قوانین جوں کے توں نافذ رہے اور آج تک نافذ ہیں۔ اگرچہ اس کے

Marfat.com

بھی بعض دینی حلقوں کی طرف سے وقتاً فوقتاً ان قوانین کو منسوخ کرنے یا کم از کم ان کو وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار میں لانے کا مطالبہ کیا جاتا رہا (۲) لیکن جنرل ضیاء الحق صاحب نے پہلے جرنیلوں اور غیر جرنیل حکمرانوں کی نسبت مزید پکا کام کر دیا۔ یعنی قوانین کو آئینی تحفظ دے دیا کہ اب آئین میں ترمیم کئے بغیر ان کے بارے میں کوئی مطالبات تسلیم نہیں کئے جاسکتے۔

☆ اس سلسلے میں سب سے زیادہ تعجب انگیز بلکہ ناقبل فہم سی بات یہ ہے کہ جب وزارت قانون نے ۱۵ جنوری ۱۹۸۰ء کو ان قونین کو ارتداد کی حد تک قرآن میں تحریف' خلاف کتاب و سنت اور اسلام کے روشن چہرے پر ایک سیاہ دھبہ قرار دیدیا تو سرکاری سطح پر اس فیصلے کے باوجود ان قوانین کو کالعدم کیوں نہ کر دیا گیا۔ جبکہ اسلامی نظریاتی کونسل بھی اس فیصلہ پر صاد کر چکی تھی۔ ان عوامل و محرکات کا کچھ پتہ نہیں چلتا جو آخری مرحلے پر مانع ثابت ہوئے۔ حالانکہ بظاہر جنرل ضیاء الحق کے دور میں یہ کام بآسانی سرانجام پا سکتا تھا یا کم از کم نظریاتی کونسل کی ترامیم ہی قبول کی جاسکتی تھیں۔ ایسا کیوں نہ ہوا؟

☆ اسلامی نظریاتی کونسل کے اس وقت کے چیئرمین جسٹس تنزیل الرحمٰن صاحب نے اس پر یہ رائے ظاہر کی تھی کہ "ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حکومت غالباً خواتین کے ایک طبقہ کی طرف سے مخالفت کے اندیشہ کے پیش نظر مسلم عائلی قوانین مجریہ ۱۹۶۱ء (جن کی دفعہ نمبر ۴ یتیم پوتے سے متعلق ہے) کے بارے میں کونسل یا وزارت قانون کی سفارشات پر عمل پیرا نہ ہو سکی۔"

پروفیسر قاری محمد طاہر صاحب کا خیال ہے کہ "جنرل صاحب اتنے کمزور اعصاب کے آدمی نہیں تھے اور حالات پر بھی ان کی مضبوط گرفت تھی۔ ان کے اس قانون کو ختم نہ کرنے کا محرک صرف ایک ہی تھا یعنی وزارت قانون اور بعض دیگر حکومتی حلقوں کا انتہائی غیر ذمہ دارانہ رویہ---- اور ہر بات میں حکومت وقت کی ہاں میں ہاں ملانے کی مذموم روش--- عائلی قوانین ۱۹۶۱ء میں نافذ

ہوئے۔ ان کے نفاذ کے وقت اور اس کے بعد بھی حکومتی حلقوں کی طرف سے ان قوانین کے حق میں دلائل دیئے جاتے رہے اور ان قوانین کو اسلام کے موافق اور پاکستانی قوم کے انتہائی مفاد میں قرار دیا گیا۔ سرکاری سرپرستی میں چلنے والے اخبارات اور جرائد نے ان قوانین کو حکومت کا بہت بڑا اسلامی اور انقلابی کارنامہ بنا کر پیش کیا۔ بعض علماء بھی حکومت کے اس اقدام پر تحسین آمیز تقاریر کرتے رہے اور مضامین لکھتے رہے---- لیکن جنرل ضیاء الحق کی حکومت میں معاملہ بالکل برعکس ہوگیا۔ وہی وزارت قانون جس نے ۱۹۶۱ء میں ان قوانین کے (صدارتی حکم کے تحت اجراء کا اعلان کیا تھا۔ اسی وزارت نے ۱۹۸۰ء میں قوانین کو ارتداد کی حد تک اسلام' قرآن اور سنت کے مخالفت قرار دے دیا-- آخر ایسا کیوں ہوا؟

☆ اس کی وجہ یہی نظر آتی ہے کہ یہ لوگ "بینگن" کی بجائے "صاحب" کے غلام ثابت ہوئے۔ ۱۹۶۱ء میں جنرل ایوب خان برسر اقتدار تھے اور وہ ان قوانین کو اسلامی سمجھتے تھے (یا ان کے ذہن میں یہ بات ڈال دی گئی تھی) اور وہ ان قوانین کو نافذ کرنا چاہتے تھے تو اقتدار کی ساری ایجنسیاں ان کے حق میں راگ الاپنے لگیں۔ ۱۹۸۰ء یں اقتدار جنرل ضیاء الحق کے پاس تھا۔ ان کی ارکان اسلام کے ساتھ محبت کے مظاہر' علماء کی قدردانی کی پالیسی اور اسلامی نفاذ کے جذبے کا اظہار ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ لہذا اب حکومتی اداروں نے بھی وہی روپ دھار لیا۔ اور "جو تھا نا خوب بتدریج--- بلکہ اچانک ہی وہی خوب ہوا"--- غالباً جرنیل صاحب اس "نکص علی اعقاب" یا Right about turn سے چڑ گئے ۔ یا محتاط ہوگئے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض علماء کی تضاد بیانی اور حسب موقع اپنا موقف بدل لینا بھی اس کا سبب بنا ہو۔ جس کی اس زمانے میں مثالیں ملتی ہیں۔

☆ تاہم جنرل ضیاء الحق کا ان قوانین کو وفاقی شرعی عدالت کے بھی دائرہ اختیار سے باہر رکھ کر ان کو آئینی تحفظ دلانے کی کوئی توجیہہ نہیں کی جا سکتی۔ کیا وہ بھی اپنے اوپر "بنیاد پرستی" کا الزام نہیں لینا چاہتے تھے؟ کیا

Marfat.com

ذات یا اپنی حکومت کے بعض ظاہری اور باطنی تضادات کے دباؤ کا شکار تھے؟

کیا ان کو اپنی ہی قائم کردہ وفاقی شرعی عدالت پر اعتماد نہیں تھا؟ اور اسی لئے انہوں نے عائلی قوانین کے علاوہ بعض اور چیزیں (مثلاً مالی امور) بھی اس عدالت کے دائرہ اختیار سے باہر رکھے تھے۔

ان سوالوں کا جواب تو اب "واللہ اعلم بالصواب" ہی ہے۔ کیونکہ نیتوں کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ البتہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی قدرتوں سے پہچانا جاتا ہے۔ اسی طرح آدمی بھی بڑی حد تک اپنی عادتوں اور حرکتوں سے پہچانا جاتا ہے۔

بہرحال یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے ہمارے موضوع سے متعلق تو اس سارے قصے میں یہ بات ہے کہ یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ ۱۹۵۳ء میں پہلی دفعہ سیاست میں لایا گیا۔ پھر ۱۹۵۵ء میں وہ دوبارہ دینی اور علمی سے زیادہ سیاسی مسئلہ بنا لیا گیا اور اسے ایک دوسرے اہم سیاسی مسئلہ (عائلی قوانین) کے ساتھ شامل کر دیا گیا اور ۱۹۶۱ء میں قانون بن جانے کے بعد سے وہ ایک سیاسی موضوع ہی چلا آیا ہے۔ لیکن ہم اپنی بحث میں اسے علمی اور فقہی نقطہ نظر سے ہی دیکھتے چلے آئے ہیں اور اسی پہلو سے اس کی موجودہ قانونی حیثیت پر مبصرانہ نگاہ ڈالنا ضروری سمجھتے ہیں کہ آخر کار تو وہ دینی مسئلہ ہی ہے۔

☆ عائلی قوانین کی دفعہ نمبر ۴ میں اسے جن الفاظ کے ساتھ مقید کیا گیا ہے اس کی اصل انگریزی عبارت اور اس کا مستند قانونی اردو ترجمہ ہم ابھی اوپر بیان کر آئے ہیں۔ اب ہم اس دفعہ پر اس نقطہ نظر سے بات کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس دفعہ کے یہ الفاظ عبارت کہاں سے لئے گئے ہیں--- اس کی انشاء (Drafting) کے پیچھے کس کا ذہن کام کر رہا تھا--- اور قرآن و سنت کی روشنی میں قانون کے ان الفاظ کے مضمرات کیا ہیں؟

آیئے ذرا درج ذیل عبارت پر نظر ڈالئے:

Marfat.com

مورث کا کوئی ایسا نسبی رشتہ دار جو اس کے ترکہ میں سے اس کی وفات کے بعد حصہ پاتا لیکن جو مورث کی وفات سے پہلے ہی فوت ہو گیا۔ اسکی جگہ اس کا قریب ترین نسبی رشتہ دار لے گا اور مورث کی وفات کے وقت وہی حصہ پائے گا جو اس فوت شدہ کو ملتا"--- یہ عبارت طلوع اسلام اپریل ۱۹۵۴ء صفحہ ۵۸ سے لی گئی ہے اور یہ دسمبر ۱۹۵۳ء میں محمد اقبال چیمہ ایم ایل اے کی طرف سے پنجاب اسمبلی میں پیش کردہ ترمیمی بل کے مسودہ میں (جس پر مقالہ کے ضمیمہ الف میں مفصل بات ہوئی تھی) مزید ترمیم کے لئے تجویز کی گئی تھی یعنی "طلوع اسلام" کے نزدیک چیمہ صاحب کا مجوزہ ترمیمی بل ان کے الفاظ اور اس عبارت کے ساتھ پیش ہونا چاہئے تھا۔ طلوع اسلام والوں کے اس بدلتے ہوئے موقف اور وراثت میں قائم مقامی کو صرف "نسبی رشتہ داروں" تک محدود کرنے کے صریحاً خلاف قرآن اور محض جاہلانہ تحکم ہونے پر بھی ہم نے اپنے مقالہ میں مختصراً تنقید کی تھی (دیکھئے کتاب کے دوسرے حصے میں باپ پنجم کے آخر پر صفحہ ۱۱۹' حاشیہ ۱۳) لیکن اب ذرا تفصیل کے ساتھ بات کرنا ضروری ہوتا ہے۔

☆ آپ اس عبارت کا عائلی قوانین کی دفعہ نمبر ۴ کی عبارت سے آنے سامنے لکھ کر موازنہ کیجئے۔ ایک ہی مفہوم بلکہ الفاظ بھی قریباً یکساں ہیں۔ یہاں کسی "نسبی رشتہ دار" کا مورث سے پہلے فوت ہو جانا بیان ہوا ہے۔ جبکہ قانون کی دفعہ نمبر ۴ میں "مورث کے کسی بیٹے یا بیٹی کی موت" کے الفاظ ہیں۔ اسی طرح اس عبارت میں وراثت کے آگے "مورث کے قریب ترین نسبی رشتہ دار" کو منتقل ہونے کی بات کی گئی ہے جبکہ دفعہ نمبر ۴ "بیٹا بیٹی" اور آگے "ان کی اولاد" کے لفظ لائے گئے ہیں اس لئے کہ "نسبی رشتہ دار" میں بھی ایک ابہام تھا اس میں تو پھر "ماں اور باپ" بھی آتے تھے اور یہ پھر وہی ناممکن العمل قائم مقامی کی ایک صورت ہوتی اس لئے وزارت قانون کے باہر ڈرافٹ نویسوں نے "بیٹا بیٹی" اور "اولاد" کے الفاظ ڈال کر بات صاف کر دی۔ باقی مضمون یکساں ہے۔ گویا

Marfat.com

نمبر ۴ کی عبارت دراصل متجددین کے علمبردار ادارہ طلوع اسلام ہی کی تجویز کردہ ہے--- یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دفعہ نمبر ۴ کی اصل انگریزی نص (قانونی عبارت) میں "مورث" کے لئے لفظ "Prositus" استعمال ہوا ہے جس کے قانونی معنی صرف "نسبی مورث" کے ہیں۔ ڈکشنری میں قانونی اصطلاح کے طور پر اس کے معنی یوں بیان ہوئے ہیں۔

"The person from whom a line of descent is derived on a genealogical table."

قرآنی قانون وراثت کے مطابق تو "وارث" کی طرح "مورث" بھی چھ افراو یا رشتہ دار ہو سکے ہیں یعنی "ماں' باپ' خاوند' بیوی' بیٹا اور بیٹی" یہ سب وراثت لیتے بھی ہیں اور ان سب سے وراثت ملتی بھی ہے۔ یہ قرآن کی رو سے بنیادی وارث اور مورث ہیں ان کا تعلق باہم متبادل (Reciprocal) یا (Counterpart) کا سا ہے۔ ان مین سے کوئی ایک بھی زندہ ہے تو اسے وراث بننے سے اور اگر "متوفی" ہے تو اسے مورث (وراثت دینے والا) بننے سے قانوناً روکا نہیں جاسکتا۔ مورث کے ان شرعی معنی سے بچنے کے لئے لفظ Propositus لایا گیا اور پھر مزید تاکید کے لئے وارثوں میں صرف بیٹا یا بیٹی کا ذکر کر دیا گیا۔ گویا وہی "نسبی رشتہ دار" کو ہی مورث اور اسی کو وارث بنایا گیا ہے۔ صرف لفظ دوسرے ہیں اور ساتھ تاکیداً "Per stirpes" کے لفظ لائے گئے ہیں جس کے معنی ہیں "for each line of descent" یا زیادہ قانونی مفہوم کے مطابق for each one from which a family is descended گویا ہر طرف سے "نسب" پر ہی زور ہے۔

☆ یوں ہم دیکھتے ہیں کہ عائلی قوانین کی دفعہ نمبر ۴ کی عبارت کی اصل وہی طلوع اسلام والی مجوزہ عبارت ہے۔ اور اسی لئے تو طلوع اسلام نے اپنے اپریل ۱۹۶۱ء والے کنونشن کو۔ عائلی قوانین کے نفاذ پر جشن فتح کے طور پر منایا تھا۔ ادارہ

Marfat.com

کے اس وقت کے سربراہ غلام احمد پرویز صاحب کے کنونشن سے خطاب کے حسب ذیل الفاظ قابل غور ہیں: "برادران گرامی! کس قدر جواں بخت ہے یہ ہمارا دور جس میں چودہ سو سال کے بعد رجعت الی القرآن کی صدائے جمیل نے فضاء میں حسین ارتعاش پیدا کیا۔ کس قدر خوش نصیب ہے یہ خطہ پاک جسے ان آسمانی قوانین کا گہوارہ بننے کی سعادت نصیب ہوئی اور کس قدر مستحق تبریک و تہنیت ہے وہ ثریا بخت مملکت جس نے دنیا میں پھر سے قرآن کی آواز بلند کی ہے۔ الخ" (دیکھئے طلوع اسلام مئی جون ۱۹۶۱ء صفحہ ۵۴) پرویز صاحب کی یہ تحریر (جسے آپ قلابہ گوئی کہیں یا پرشکوہ اسلوب) بہرحال ایک تو اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ پرویز صاحب کا اہل علم ہونا متنازعہ فیہ ہو سکتا ہے ان کے اہل قلم ہونے کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ دوسرے یہ عبارت ان کی اس بے پایاں مسرت پر دال ہے جو ان کو عائلی قوانین (اور خصوصاً اس کی دفعہ ۴) کے حسب مرضی نفاذ سے ہوئی تھی۔

☆ اب یہاں اس نقطہ پر توجہ مرکوز کرنا ضروری ہے کہ کیا طلوع اسلام (یا اسکے بانی مبانی پرویز صاحب) "یتیم پوتے کی وراثت کے مسئلہ" پر شروع سے یہی رائے رکھتے تھے جو انہوں نے اقبال چیمہ صاحب کے "مجوزہ" ترمیمی بل کے مسودہ کی اصلاح کیلئے پیش کی تھی اور جسے عائلی قوانین کی دفعہ نمبر ۴ میں قانونی شکل دیئے جانے پر ان کے اندر خوشی سے لڈو پھوٹنے لگے تھے۔ اس کے لئے ہمیں ایک دفعہ پھر اس قضیئے پر ۱۹۱۷ء سے اب تک کے بعد مراحل کو خاص اس پہلو سے یعنی اپنے موقف پر ثابت قدم رہنے یا نہ رہنے کے نقطہ نظر سے دیکھنا پڑے گا۔ کیونکہ ویسے تو ہم اس داستان کا کچھ حصہ اصل مقالہ میں اور باقی اس ضمیمہ میں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔

☆ ہم مقالہ کے پہلے حصے میں مسئلہ کے "قدیم پہلو" کے ضمن میں فقہائے متقدمین (سنی شیعہ ہر دو) کا حیرت انگیز حد تک متفقہ اور مجمع علیہ موقف بیان کر چکے ہیں اور یہ بھی بیان کر چکے ہیں (مقالہ کے حصہ دوم میں) کہ اس موقف

Marfat.com

بنیادی وجہ "قرآنی قانون وراثت میں نظریہ نیابت (قائم مقامی) کا ناممکن العمل ہونا" ہے۔ ہمارے علماء اس مسئلہ پر سلف سے خلف تک کامل اتفاق " کی بات تو کرتے تھے مگر اس " اتفاق" اور اجماع کی بنیادی وجہ بیان کرنے سے قاصر رہے یا یہ بات ان کے ذہن میں نہیں آئی۔ بہرحال جب یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ متنازعہ فیہ بنا دیا گیا (جس کی ابتداء ۱۹۱۷ء سے ہوئی اور جس میں روز ۱۹۴۸ء کے بعد سے آگیا تھا) تو بعض اہل علم کے ذہن میں یہ بات (متفقہ موقف کی بنیاد ڈالی) آئی جس کا تقریر اور تحریر میں بھی ذکر ہوا اور جس سے استفادہ کرتے ہوئے ہم مقالہ کے حصہ دوم (باب پنجم) میں بالتفصیل بحث کر چکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے علماء کے موقف کی بنیاد مستحکم تھی۔ اسی لئے ان کو اس میں کسی ترمیم یا تبدیلی کی کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی--- اگر قرآن کا قانون وراثت برحق ہے تو اس کے نفاذ کے نتیجے میں یہ (مجوب الارث والا) بھی برحق اور اٹل ہے۔

اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ متجددین کا موقف اس بارے میں بدلتا رہا ہے۔ بلکہ قلابازیاں کھاتے رہے ہیں۔ اس بارے میں ان کا سارا سرمایہ مولانا اسلم جیراجپوری صاحب کا مقالہ "مجوب الارث" تھا جو خود خواجہ احمد الدین امرتسری مرحوم کے مجموعہ رسائل "الوراثة فی القران" سے ماخوذ تھا۔ جیراجپوری نے یتیم پوتے کے مسئلہ کے حل کے لئے اپنے مقالہ میں اقربیت کا نیا مفہوم پیش کیا تھا (جو ہمارے مقالہ میں زیر بحث آچکا ہے) ان کے اس نظریہ اقربیت میں اور اس کی تعبیر و توضیح میں (جس طرح اسے طلوع اسلام نے پیش کیا) دو باتیں بڑے واضح اور نمایاں ہو کر سامنے آئیں۔

(۱) "یتیم پوتا (یعنی بھتیجا) اپنے چچا کا بھائی بن کر اپنے باپ کا حصہ بطور وراثت لے سکتا ہے۔" (دیکھئے مقالہ کا حصہ دوم باب دوم کی فصل اول بحوالہ تین اہم مسائل صفحہ ۱۸۵)

(۲) "مردوں کے حصے (وراثت میں) نہیں نکالے جاتے۔ یتیم پوتے (بھتیجے)

Marfat.com

کو براہ راست اپنا حصہ ملتا ہے (بھائی بن کر) نہ کہ اس کے متوفی باپ کا حصہ "
(دیکھئے مقالہ کا مندرجہ بالا (حصہ دوم کے باب دوم والا) حصہ بحوالہ تین اہم سال
صفحہ ۱۵۷۔ ۱۵۶۔

لیکن جونہی صرف ایک چچا اور ایک بھتیجا (یتیم پوتا) کی بجائے جیراجپوری صاحب کے اس قاعدہ اقربیت کے مطابق ایک چچا یا زیادہ چچاؤں کے ساتھ متعدد بھتیجوں اور بھتیجیوں کا تصور سامنے آیا (جو کوئی نادر الوقوع چیز بھی نہیں) تو اس "اجتہاد نو" کی غلطی بلکہ لغویت اور نامعقولیت واضح ہوگئی (۳) (دیکھئے اصل مقالہ کے حصہ دوم کے باب دوم کی فصل اول کا آخری حصہ) چنانچہ متجددین کے اس وقت کے قائد و سربراہ جناب پرویز صاحب بھی اسے سمجھ گئے تھے۔ (اگرچہ جان لینے کے باوجود ظاہراً مان لینے سے گریز کیا)۔ اسی لئے انہوں نے چوہدری محمد اقبال چیمہ والے مجوزہ ترمیمی بل کی تعریف کے پل باندھنے کے باوجود چیمہ صاحب کے مسودہ میں (جس پر ہم نے مقالہ کے ضمیمہ الف میں بات کی ہے) وہ ترمیم پیش کی جو ہم نے ابھی اوپر طلوع اسلام اپریل ۵۴ء کے حوالے سے بیان کر دی اور جو بعد میں عائلی قوانین کی دفعہ نمبر ۴ کی بنیاد بنی۔ حالانکہ مولانا اسلم جیراجپوری صاحب کے جس نظریہ اقربیت کے تختے پر کھڑے ہو کر قائد تجدد اپنا قد (Image) بلند کر رہے تھے اس کے مطابق تو یہ ترمیم یوں پیش کرنی چاہیے تھی--- کہ "مورث کا کوئی ایسا پوتا پوتے یا پوتی پوتیاں جس کا باپ / جنکے باپ مورث کی زندگی میں فوت ہوگئے ہوں تو ان کو اپنے چچا/چچاؤں کا بھائی بہن سمجھ کر مورث کی وراثت تقسیم کی جائے گی۔" اگر عائلی قوانین میں بھی اس طرح کی قانون سازی ہو جاتی تو پھر پتہ چلتا کہ وکلاء اور عدالتوں کے جج کس طرح سر پکڑ کر بیٹھے نظر آتے۔

خیال رہے کہ جیراجپوری صاحب کے اعتراضات چونکہ حنفی فقہ فرائض پر ہی تھے اس لئے انہوں نے یتیم نواسے یا نواسی (یعنی ماں کی طرف

کو ماموں کے ساتھ بھائی بہن بنا کر حصہ دینے کی بات نہیں کی تھی (جو عملاً تو شیعہ فقہ فرائض کا مسئلہ ہے اگرچہ حنفی فقہ میں بھی ان کا درجہ بعد میں بطور اولوالارحام آتا ہے)--- ورنہ اگر اس مجوزہ ترمیم میں یتیم بھتیجوں' بھتیجیوں کو بھائی بہن بنانے کے ساتھ مرنے والی بہن کی اولاد کو بھی زندہ رہ جانے والے ماموں کے ساتھ بھائی بہن بنا دیا جاتا جو اس نئے نظریہ اقربیت کا لازمی نتیجہ بنتا ہے۔ تو کیا ہوتا اس کی دو مثالیں ہم مقالے کے دوسرے حصے کے باب دوم کے آخر میں بیان کر آئے ہیں--- پنجاب مقننہ کی طبع کردہ آراء میں اس نامعقول نظریہ کی کچھ مزید مثالیں بھی دی گئی تھیں جن کے حوالے ہمارے مقالے کے حصہ دوم کے باب دوم کی فصل دوم میں بھی دیئے گئے ہیں۔

☆ بہرحال اپنے اس مایہ ناز نظریہ اقربیت میں پوشیدہ مغالطہ کی حقیقت اور نامعقولیت ظاہر ہو جانے پر متجددین (یا طلوع اسلام) کو اپنا یہ نظریہ ترمیمی بل میں پیش کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ یہ پہلی قلابازی تھی کہ اپنا بہت تشہیر دادہ موقف بدل دیا۔

یہاں بر سبیل تذکرہ یہ بات بھی قابل ذکر بلکہ باعث تعجب ہے کہ جب عائلی قوانین بن گئے اور اس کی دفعہ نمبر ۴ والا قانون خود طلوع اسلام ہی کی مذکورہ بالا مجوزہ ترمیم کے مطابق ہی تھا اور اسی قانون کی متجددین حضرات مدح سرائی بھی کر چکے تھے۔ لیکن جب مارچ ۱۹۸۶ء میں بعض علماء نے عائلی قوانین کے خلاف قرآن و اسلام ہونے کے مسئلہ کو دوبارہ چھیڑ دیا۔ تو ادارہ طلوع اسلام نے اپنے اپریل ۱۹۸۶ء کے شمارہ میں ان علماء پر سوقیانہ طعن و تشنیع کی (اگر پرویز صاحب مرحوم زندہ ہوتے تو غالباً وہ اپنی تحریر کا وقار یوں نہ گنواتے)۔ اس شمارے میں صورت مسئلہ سمجھانے کے لئے پھر وہی مولانا جیراجپوری صاحب کے مقالہ "محجوب الارث" والی مثالیں اور وہی نیا نظریہ اقربیت (پچھلی فائلوں سے نکال کر) دوبارہ نقل کر دیا گیا۔ حالانکہ یہ لوگ ایوب خانی قانون کو تسلیم کر کے خود ہی اپنی اس

Marfat.com

"ہلدی کی گرہ" کو نامعقول سمجھ کر پرے پھینک چکے تھے۔ پھر اس متروک اور نامعقول بحث کو دوبارہ درمیان میں لانے کا کیا فائدہ؟

☆ دوسری طرف پنجاب مقننہ کی طبع کردہ پبلک آراء کے سامنے آنے پر طلوع اسلام والوں کو نظریہ قائم مقامی کے قرآنی قانون وراثت میں ناقابل عمل ہونے کی بھی سمجھ آگئی (اس نظریہ قائم مقامی پر بھی مقالہ کے دوسرے حصے میں۔ باب دوم کی فصل دوم میں مفصل بحث ہو چکی ہے) تو وہ اپنے علی الاعلان بیان کردہ موقف "کہ سن رکھئے مردوں کے حصے نہیں نکالے جایا کرتے۔" (دیکھئے مقالہ کے حصہ دوم کی فصل اول بحوالہ تین اہم مسائل ۵۷-۶۵۶) سے بھی منحرف ہوگئے۔ یہ دوسری قلابازی تھی کہ "فوت شدہ کا حصہ ("جو اس فوت شدہ کو ملتا") نکالنے پر بھی آمادہ ہوگئے۔

☆ اور سب سے زیادہ عجیب بات یہ کہ قرآن کریم کے بنیادی چھ وارثوں (ماں باپ بیوی خاوند' بیٹی' بیٹا) میں سے حق وراثت میاں بیوی سے بلکہ عملاً والدین سے بھی چھین لینے پر آمادہ ہوگئے اور حق وراثت کو صرف نسبی رشتہ داروں (بیٹا بیٹی) تک محدود کر دیا (کیونکہ قائم مقامی صرف اسی صورت میں چل سکتی ہے) یہ قرآن حکیم کے قانون وراثت بلکہ اصول وراثت ہی سے صریح بغاوت ہے" ہم نے مقالے میں بھی اس خودرایانہ اور جاہلانہ تحکم پر تنقید کی تھی (دیکھئے مقالہ کے دوسرے حصے کے باب پنجم کا آخری حصہ)۔ قرآن کریم میں تو ہے کہ "مما ترك الوالدان والاقربون" (النساء/۷) کہ وراثت ماں باپ سے بھی ملے گی اور بعض دوسرے قریبی (الاقربون) رشتہ داروں (مثلاً بیوی خاوند بیٹا بیٹی) سے بھی ---- طلوع اسلام کی نسبی رشتہ داروں والی تجویز (اور پھر اسی پر مبنی عائلی قوانین کی دفعہ نمبر ۴) کے مطابق تو وراثت دینے کا حق صرف والدین کی طرف سے تسلیم کیا گیا ہے۔ "الاقربون" (جن میں خاوند اور بیوی لازماً شامل ہیں) سے وراثت پانے کے قرآنی حق کا ہی انکار کر دیا گیا ہے "قرآنی فکر" کی

Marfat.com

سی قسم ہے؟ کاش کہ اپنے مخالف علماء کو "منکرین قرآن" کہنے والے (دیکھئے مقفّہ پنجاب کی پبلک آراء میں طلوع اسلام کے پیش کردہ مضمون میں صفحہ ۵ پر عنوان "منکرین قرآن کی طرف سے جواب") اپنے گریبان مین بھی جھانک کر دیکھ لیتے۔ اتنی سی بات کو تو آیات میراث کا ترجمہ جانے والا بھی سمجھ سکتا ہے اس کے لئے مفکر قرآن ہونا بھی ضروری نہیں۔

☆ میاں بیوی کا وراثت میں حصہ تو قرآن کریم کا اتنا واضح حکم ہے کہ اس کو ترک کرنے کی کوئی تاویل نہیں کی جاسکتی۔ اسی لئے اہل سنت زوجین کو ذی الفروض میں رکھ کر سب سے پہلے ان کا حصہ نکالتے ہیں اور اسی لئے فقہ جعفری میں زوجین کوطبقات ورثاء سے الگ رکھا گیا ہے کہ زوجین ہر طبقہ کے ساتھ وراثت پائیں گے وہ کبھی محجوب نہیں ہوسکتے۔

☆ وراثت کو نسبتی رشتہ داروں تک محدود کرنا اور مرنے والے کی بیوہ کو بھی اس سے محروم کرنا تو ایک لحاظ سے ہندو رواجی قانون وراثت سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ ہندو قانون کے مطابق بھی بیوہ (خاوند کی اولاد نرینہ نہ ہونے کی صورت میں) "تاحیات" اپنے مرنے والے خاوند کی جائیداد کی مالک متصور ہوتی ہے البتہ وہ اسے کہیں منتقل نہیں کرسکتی۔ باقی تصرفات (ٹھیکہ' کرایہ' مزارعت وغیرہ) کا اسے حق ہوتا ہے۔ اس کے مرنے کے بعد وہی جائداد اس کے مرنے والے خاوند کے "نسبی رشتہ داروں" کی طرف لوٹ آتی ہے ہندوؤں میں چونکہ بیوہ دوبارہ شادی نہیں کرسکتی اس لئے ان کے ہاں بیوہ کا یہ حق "تاحیات" کے ساتھ مقید ہے۔ مسلمانوں کے جن علاقوں میں انگریزوں نے رواجی ہندوانہ قانون اپنانے کی اجازت دے دی تھی (یا جہاں خود مسلمانوں نے شریعت کے مقابلے پر رواجی (ہندو) قانون کو ترجیح دیکر اختیار کیا تھا) وہاں بھی مسلمان بیوہ (خاوند کی اولاد نرینہ نہ ہونے کی صورت میں) تا "نکاح ثانی" اپنے مرحوم خاوند کی جائیداد کی مالک اور انتقال کے سوا تمام تصرفات کی حقدار سمجھی جاتی تھی۔ خیال رہے کہ قرآن

Marfat.com

کریم کے مطابق تو بے اولاد بیوہ بھی اپنے خاوند سے وراثت کی لازماً حقدار ہے۔

☆ امریکہ میں (بہت سے یورپی ممالک کی طرح) الگ قانون وراثت نہیں ہے بلکہ یہ مورث کی وصیت پر منحصر ہے۔ وہاں اگر کوئی آدمی بغیر وصیت کئے مر جائے تو حکومت ہی اس کی ساری جائیداد کی وارث ہوتی ہے۔ البتہ حکومت کے قبضہ کرلینے کے بعد مرنے والے کی صرف بیوہ (جس کے حق میں وصیت بھی نہیں ہوسکی تھی) اپنا کچھ حصہ حکومت سے طلب کر سکتی ہے اور اسے کچھ نہ کچھ مل بھی جاتا ہے مگر مرنے والے کا دوسرا کوئی عزیز (اولاد بھی) وصیت کے بغیر حکومت سے کچھ نہیں لے سکتا۔

ہمارا یہ دو مثالیں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ میاں بیوی کا تعلق جس مودت اور رحمت پر مبنی ہے اسے ہندو رواج اور امریکی قانون تک نے تسلیم کیا ہے-- مگر محض بات کی پچ کی خاطر اور ایک Issue پر شکست سے بچنے کے لئے یہ "مفکرین قرآن" اپنی "فکر قرآنی" کی ناک پر بھی ضد اور جہالت کا استرا چلا دینے سے نہیں جھجکے۔

☆ دنیا کا کوئی غیر مسلم (یہودی عیسائی وغیرہ) عربی دان بھی قرآن کریم کا مطالعہ کرے تو وہ بھی اس نتیجہ پر پہنچ جائے گا کہ "یہ کتاب بیک وقت والدین زوجین اور اولاد (بیٹا بیٹی) کو لازماً وارث بناتی ہے اور ان میں سے کسی ایک کو بھی (بوقت تقسیم وراثت زندہ ہوتے ہوئے) کسی طرح محروم نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کی نظیر ادیان عالم اور انسانی (وضعی) قوانین میں کہیں نہیں ملتی اور اس لئے Von Kremer نے اسلامی قانونی وراثت کو اسلامی قوانین کی Supremely Original Branch قرار دیا تھا (دیکھئے مقالہ کی "تمہید)

اور حالت یہ ہے کہ خود " مفکرین قرآن" اس عظیم و بے مثل قانون کی اسی "Originality" کو ختم کرکے اسے ہندوانہ رواجی قانون کی سطح پر لے آنے پر آمادہ ہوگئے (صرف اس فرق کے ساتھ کہ نسبی رشتہ داروں میں بیٹا بیٹی دونوں

Marfat.com

کو (قرآن کے مطابق) شامل کر لیا جائے جبکہ ہندو قانون میں صرف بیٹا وراثت پاتا بیٹی نہیں) کیا قرآنی قانون وراثت بس اتنا ہی ہے کہ بیٹے کے ساتھ بیٹی بھی حصہ لے گی۔ آگے والدین اور زوجین کا ذکر ہی نہیں ہے؟ یا للعجب!

☆ اور پھر قرآن کریم کے اس قانون وراثت میں--- جس میں وراثت پانچ طرف سے کسی کے پاس آسکتی ہے اور پھر صاحب جائیداد کے مرتے ہی پانچ مختلف سمتوں میں روانہ ہو جاتی ہے--- اس قانون میں گردش زر کا جو اصول ہے اور انسانی معاشرے کے جو معاشی مصالح اس سے وابستہ ہیں اسے یہ "نظام ربوبیت" کا نعرہ لگانے والے بھی نہ سمجھ سکے یا محض "بغیاً بینھم" کے ماتحت ہر چیز سے آنکھیں بند کرلیں؟ جب دیکھا کہ قرآنی قانون وراثت میں تو اصول قائم مقامی کسی طرح چل ہی نہیں سکتا تو ہندوؤں کی طرح (یا دوسرے مذاہب کی طرح) صرف. نسبی رشتہ داروں" (یعنی صرف اولاد) کے حق وراثت کے نمائندہ بن بیٹھے۔ کیونکہ صرف اسی میں قائم مقامی چل سکتی ہے۔

کیا یہ اسی طرح کی سنگدلی نہیں جس کے ماتحت ہمارے جاہل مسلمانوں کو بوڑھی سوتیلی ماں کو یا جوان بے اولاد بیوہ بھاوج کو (جسے نکاح ثانی کا حق بھی دیا گیا ہے) قرآنی قانون کے مطابق وراثت میں حصہ دینا خلاف عقل اور باعث فساد نظر آتا ہے۔

☆ آیئے اب عائلی قوانین کی دفعہ (نمبر ۴) پر بھی قرآن ہی کی روشنی میں غور کرلیں۔ اس دفعہ کی انگریزی اور اردو عبارت اوپر بیان ہو چکی ہیں ذرا ان کو سامنے رکھ لیجئے۔

(۱) اس میں بھی پہلی خلاف قرآن بات تو یہی ہے کہ قرآن کریم کے مقرر کردہ چھ بنیادی وارثوں (والدین' زوجین اور بیٹا بیٹی) میں سے صرف دو (یعنی مرنے والے بیٹے یا بیٹی) کے لئے حق جانشینی (یا قائم مقامی) تسلیم کیا گیا ہے۔ آخر مرنے والے خاوند' مرنے والی بیوی یا مرنے والے ماں اور باپ کا حصہ کیوں نہ نکالا جائے

Marfat.com

اور پھر آگے ان کے ممکنہ وارثوں میں تقسیم کیا جائے؟ اس پر ہم مقالے کے حصہ دوم کے باب دوم کی فصل دوم (صفحہ تا) میں مفصل بات کر چکے ہیں۔ اسی سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کے قانون وراثت میں نیابت یا قائم مقامی نہیں چل سکتی۔

(۲) پھر اس میں دوسری خلاف قرآنی بات یہ ہے کہ مرنے والے بیٹے یا بیٹی (بیٹوں بیٹیوں) کا حصہ نکال کر آگے ان کے قرآنی شرعی وارثوں کی بجائے صرف ان کے بیٹوں بیٹیوں ہی میں تقسیم کیا گیا ہے۔ آخر مرنے والی بیوی کے خاوند یا مرنے والے خاوند کی بیوہ کو آپ قرآن کے کس حکم کے تحت 'وراثت سے محروم کر سکتے ہیں؟ افلاتعقلون؟

○ یہاں ایک اور بات ضمناً سامنے آتی ہے عائلی قوانین کی اس دفعہ نمبر ۴ میں اگرچہ صریحاً یہ نہیں کیا گیا کہ مرنے والے/والی کی بیوہ/ خاوند کو محروم الارث کر دیا جائے۔ تاہم قانون سازی میں اولاد (بیٹا یا بیٹی) کے الفاظ کا لازمی نتیجہ یہی نکلا کہ جب اعلیٰ عدالتوں میں اس قانون کی عملی تعبیر و تشریح کا وقت آیا تو یہ معاملہ صاف ہو گیا کہ "مورث کی وفات سے قبل فوت ہو جانے والے پسران اور دختران کی اولاد کو اپنے باپ یا ماں کا حصہ بحصہ رسدی ملتا ہے۔ ایسے فوت شدہ پسران یا دختران کی بیوہ یا شوہر کو اس حصے سے کچھ نہیں ملے گا (۴)

غالباً کسی مرنے والے کی بیوہ نے (یا مرنے والی کے شوہر) نے اس بناء پر اپنا شرعی حق مانگا ہوگا کہ آخر جس کا حصہ تقسیم کے لئے نکالا جا رہا ہے اسی میں اس کا بھی حصہ بنتا ہے مگر عدالت مجبور تھی کہ قانون کے الفاظ (Litra legis) ان کے حق کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ یہ صرف ان کے نسبی وارثوں یعنی اولاد تک ہی محدود ہیں۔ عدالتوں کے ان فیصلوں میں ان لوگوں کے لئے بھی جواب موجود ہے جو یتیم پوتے کے محجوب الارث ہونے پر قرآن کے کسی صریح حکم (نص) کا مطالبہ کرتے ہیں بعض قانونی احکام کے لئے نص صریح نہیں ہوتی

Marfat.com

مگر وہ نص صریح پر عمل کرنے یا اس کو نافذ کرنے کا صریح اقتضاء (Corollary) ہوتے ہیں۔

☆ قرآن حکیم کے احکام وراثت کی ان دو بغاوت کی حدوں کو چھونے والی خلاف ورزیوں کے باوجود متجددین کا ان عائلی قوانین کی مدح سرائی کرنا اور یہ دعوی کرنا کہ "اس قانون کی ایک شق بھی قرآن کے خلاف نہیں ہے' (دیکھئے طلوع اسلام اکتوبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۸۰) اس کی کیا توجیہ کی جاسکتی ہے؟

کیا یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح نافرمانی اور اللہ کی حدود سے تجاوز اور سرکشی نہیں جس پر سورۃ النساء کی آیات میراث کے معا بعد سخت وعید سنائی گئی ہے۔ (دیکھئے سورہ النساء/ ۱۴)

☆ اور آخر پر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ عائلی قوانین کی دفعہ نمبر ۴ کے ذریعے کی گئی اس قانون سازی نے ملک کے کتنے یتامی کا مسئلہ (یہ ۱۰ سائل) حل کر دیئے ہیں۔ اس طرح دادا کی وراثت سے حصہ لینے والے یتیم تو شاید پورے ملک میں ایک سو فی لاکھ بھی مشکل ہوں گے۔

کیا باقی یتامی کے بارے میں قرآن کریم خاموش ہے (مناسب ہو گا کہ ہمارے مقالہ کے حصہ دوم کے باب دوم "قرآن اور تحفظ مصالح یتامی" پر ایک نظر ڈال لیں) کاش کہ پاکستان میں حکومتی سطح پر ملک بھر کے یتامی کے مسائل کے لئے قرآنی احکام کے مطابق قانون وصیت اور قانون نفقات (کفالت) کے نفاذ کے ذریعے قانون سازی کی جاتی۔ جس میں ہر طرح کے یتیموں کے علاوہ دوسرے محتاج مگر غیر وارث رشتہ داروں (بیوہ بہنوں مفلس بھائیوں وغیرہ) اور غیر رشتہ داروں کے مسائل کے حل کی بھی گنجائش موجود ہے۔

☆ اور حکومتی سطح پر اس مسئلہ کا حل بذریعہ قانون سازی کرنے کے حوالے سے یہاں بطور تقابل یہ بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ یہی مسئلہ (محجوب الارث یتیم پوتے وغیرہ کا) حل کرنے کے لئے حکومت مصر نے بھی قانون سازی

Marfat.com

کی ہے او. حکومت پاکستان نے بھی۔

☆ حکومت مصر نے اس کا علاج "وصیة واجبة" کا قانون نافذ کرکے دیا ہے (جس پر مقالہ کے حصہ دوم کے باب چہارم میں بات ہوئی تھی) چونکہ وہاں عام قانون وصیت بھی نافذ ہے اور دادا اپنی زندگی میں ایسے یتیم پوتوں نواسوں وغیرہ کے لئے وصیت کرسکتا ہے جو بعد میں قانوناً نافذ ہوگی۔ اس کے علاوہ اپنی زندگی میں بطور ھبہ بھی دے سکتا ہے۔ اس لئے مصری قانون (وصیت واجبہ) "صرف ایسے محجوب الارث پوتوں نواسوں وغیرہ (اولاد الاولاد) کے لئے ہے جن کو دادا نانا نے اپنی زندگی میں نہ تو کوئی چیز بطور ھبہ دی ہو اور وصیت بھی نہ کرسکا ہو جس کی وجہ سے یہ عام قانون وصیت سے متمتع نہ ہو سکتے ہوں (جیسے امریکی قانون میں وہ بیوی جس کیلئے خاوند کو وصیت کا موقع نہ ملا) ایسے پوتوں پوتیوں نواسوں نواسیوں کے لئے مورث کے کل ترکہ کے ۱/۳ حصہ میں سے (جو سنت کے مطابق وصیت کی حد ہے) بذریعہ سول عدالت بطور وصیت واجبہ حصہ ملنے کا بندوبست کیا گیا ہے۔ مصری حکومت کا یہ قانون قرآن و سنت سے قریب تر ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ وہاں الازھر (یونیورسٹی) اور علماء دین کے اثرات غالب ہیں ورنہ متجددین مصر میں بھی تھوڑے اور کچھ کم فعال نہیں۔ وہاں تو ایسے لوگ بھی تھے جو کمال پاشا کی طرح عربی زبان کے لئے لاطینی رسم الخط اختیار کرنے کے زبردست حامی تھے۔ لیکن وہاں کے متجددین (بلکہ خواندہ عوام) بھی عربی زبان سے اتنے جاہل نہ تھے کہ وہ قرآن کی آیات میراث میں بیان کردہ چھ بنیادی وارثوں کے مفہوم سے بھی بے خبر ہوں۔ ان کے لئے قرآنی قانون وراثت میں صرف نسبی وارثوں کا تصور سراسر اجنبی تھا۔ جو سراسر غیر اسلامی تصور ہے۔

☆ اس کے برعکس پاکستان میں چونکہ محجوب الارث کی وصیت سے متمتع ہونے کا بذریعہ قانون موقع ہی نہیں دیا گیا (یعنی یہاں قرآنی قانون وصیت نافذ نہیں) اس لئے یہاں اس مقصد (محجوب الارث کو کچھ دلانے) کے لئے قرآن کے

Marfat.com

قانون وراثت میں ہی تحریف کر دی گئی۔یہاں ایسے تمام اولاد الاولاد کو جو بوقت تقسیم وراثت زندہ موجود ہوں (چاہے دادا نانا ان کی اپنی زندگی میں بھی کچھ دے گیاہو) سب کے لئے "وراثت " پاسکنے کے لئے قانون سازی کی گئی ہے۔ (مصری قانون میں یہ شرط مذکور ہے جبکہ ہمارا قانون بالکل خاموش ہے)اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ پاکستان میں عربی بلکہ قرآن کے ترجمہ تک سے ناآشناء عوام اور ان عوام کے جذبات کا استحصال کرنے والے متجددین۔ دیگر عوامل کے علاوہ--- سب ہی شعوری یا غیر شعوری طور پر ہندوانہ رواجی قانون وراثت سے متاثر اور مانوس تھے (کہ یہ قانون یہاں قریباً سو سال تک رائج رہا) اور یہ نظریہ قائم مقامی کے لئے بھی بہت موزوں ہے لہذا یہاں حکومت کی قانون سازی اس دائرے سے باہر نہ نکل سکی۔ چنانچہ یہاں کے متجددین نے (جو مصری متجددین کے مقابلے پر علم دین میں بھی فروتر ہیں) کچھ تو علمائے دین کے مقابلے پر مخالفانہ ضد کی وجہ سے اور کچھ قرآنی وراثت سے بے خبری کی بناء پر --- "اس مسئلے کے ایسے حل۔ (قانون) پر صاد کر دیا جو ہندوانہ رواجی قانون سے متاثر اور مانوس عوام کو پسند اور مطلوب تھا اور عوام کی اس "پسند" اور "طلب" پر گواہ ہیں پنجاب مقننہ کی طبع کردہ مجموعہ "آراء" میں وہ متعدد عوامی آراء جن کے طرف ہم مقالہ میں کئی جگہ حوالے دے آئے ہیں۔

☆ یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں حکومت مصر کا قانونی حل نسبتاً قرآن و سنت سے قریب تر اور اسلامی ہے۔ جب کہ حکومت پاکستان کا حل۔ (قانون) قرآن سے بیگانہ' ہندو رواجی قانون سے قریب تر اور محض "عوامی" ہے۔

حواشی اور حوالہ جات

(۱) اس قسم کے مغالطہ کی نہایت عمدہ مثال عبدالعزیز الکنانی کا عباسی خلیفہ المامون کے دربار میں معتزلی وزیر کیساتھ وہ مناظرہ ہے جس کا قصہ خود انہوں نے ایک رسالہ کی شکل میں لکھا ہے اس کا نہایت عمدہ اردو ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے "تاریخ عہد عباسیہ کا ایک ورق" کے عنوان سے کیا تھا یہ مضمون مولانا آزاد کے ایک مجموعہ مضامین بعنوان "صدائے رفعت" کے صفحہ ۱۴ تا صفحہ ۸۷ پر ہے۔ یہ کتاب ملک پبلشرز۔ لائل پور (حال فیصل آباد) نے شائع کی تھی۔

(۲) مثلاً دیکھئے روزنامہ جنگ لاہور کی اشاعت ۲۸ فروری' ۷ مارچ ۱۹۸۶ء (جمعہ میگزین) میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا مضمون اور طلوع اسلام اپریل ۱۹۸۶ء میں اس پر غیظ و غضب کا اظہار اور اپنے پرانے خود ترک کردہ موقف کی تکرار۔

(۳) اگرچہ بعد میں جب پنجاب مقننہ کی اس مسئلہ پر پبلک آراء (فروری ۱۹۵۴ء میں) شائع ہوئیں تو پتہ چلا کہ متعدد وکلاء اور ججوں نے بھی اس نظریہ کی نامعقولیت واضح کر دی ہے۔ لیکن یہاں مقالہ نگار بطور اظہار ممنونیت اس بات کو ریکارڈ پر لانا چاہتا ہے کہ تیاری برائے مقالہ کے ابتدائی دنوں میں جب میں نے چراغپوری صاحب کا مقالہ "محجوب الارث" پڑھا تو میں اس کے استدلال سے بڑا متاثر ہوا اور انکے اس نئے نظریہ اقربیت اور یتیم بھتیجے کو چچا کا بھائی بنا کر وراثت دینے کو نہایت معقول حل سمجھنے لگا تھا۔ ۱۹۵۳ء کی تعطیلات گرما میں اپنے گاؤں (حبیب ضلع جھنگ) گیا تو وہاں مولانا محمد حسنؒ خطیب جامع مسجد جھنگ شہر سے اس مسئلہ پر تبادلہ خیالات کے لئے ملاقات کی اور ان کے سامنے چراغپوری صاحب کے نظریہ اقربیت کی بات ہوئی تو مولانائے نے فرمایا کہ "حافظ صاحب ذرا متعدد بھتیجوں کے ساتھ صورت حال پر غور کیجئے" مجھ پر اس نظریہ کی لغویت اسی وقت واضح ہو گئی۔ اس مسئلہ میں میرے پہلے رہنما مولانا محمد حسن صاحب مرحوم و مغفور ہی تھے۔

دیکھئے 1975, P.L.D پشاور نیز 1978, P.L.D ء لاہور 483

Marfat.com

مراجع و مصادر

۱- قرآن حکیم

۲- احکام القرآن ۔ لابی بکر محمد بن عبدالله ابنَ العربی الاندلسی م ۵٤۲ھ مطبعة السعادة مصر ۱۳۳۱ھ

۳- احکام القرآن۔ لابی بکر احمد بن علی الرازی الجصاص م ۳۷۰ھ ۔ مطبعة اوقاف الاسلامیه قسطنطنیه ۱۳۳۵ھ (بعهد سلطان وحید خان وباهتمام نظارة الاوقاف)

٤- فتح القدیر۔ الجامع بین فنی الروایة والدرایة من علم التفسیر--- للامام محمد بن علی الشوکانی م ۱۲۵۰ھ--- مطبعة مصطفی البابی (مصر) ۱۳٤۹ھ

۵- تفسیر المنار۔ للسید محمد رشیدرضا۔ مطبعة المنار۔ مصر الطبعة الثانیة ۱۳٦۵ھ

٦- تفسیرالمراغی۔ لاحمد مصطفی المراغی۔ مطبعه مصطفی البابی الحلبی واولاده بمصر--- الطبعة الاولی ۱۳٦۵ھ.۱۹٤٦ء

۷- تفسیرابن کثیر--- حافظ ابن کثیر

۸- تفسیراحمدی ازملا جیون مطبوعه مطبع حسنی (مقام وتاریخ طباعت ندارد)

۹- تفسیر ابوالفتوح رازی۔ ازشیخ حسین بن علی الخزاعی المعروف بابی الفتوح رازی مطبوعه چاپ خانه شرکت تضامنی محمد حسن علمی وشرکاوه۔ تهران (ایران) خرنادماه ۱۳۲۰ھ

۱۰- تفسیربیان القرآن اردو۔ مولانا اشرف علی صاحب تهانوی مطبوعه اشرف المطابع تهانه بهون (الهیا) سنه ندارد

۱۱- تفسیر حقانی (فتح المنان)۔ اردو تفسیر از مولانا عبدالحق دهلوی شائع کرده شیخ نظام علی

Marfat.com

اینڈ سنز لاہور ۱۳۶۴ھ

۱۲- صحیح البخاری۔ لابی عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری م ۲۵۶ھ۔ مطبوعہ لیدن مطبعہ بریل ۱۹۰۸ء

۱۳- صحیح مسلم۔ لابی الحسین مسلم بن حجاج نیشاپوری' ۲۶۱ھ۔ ناشر محمد صبیح و اولادہ بمیدان الازھر بمصر ۱۳۳۴ھ

۱۴- صحیح الترمذی۔ لابی عیسی محمد بن عیسی الترمذی م ۲۷۹ھ۔ المطبعة المصرية بمصر ۱۳۵۰ھ موافق ۱۹۳۱ء۔ الطبعة الاولی۔

۱۵- موطا۔ الامام مالك بن انسؓ م ۱۷۹ھ۔ داراحیاء الکتب العربیہ۔ عیسی البابی الحلبی و شرکاوہ (مصر) ۱۳۷۰ھ۔ ۱۹۵۱ء

۱۶- بلوغ المرام۔ للحافظ ابن حجر العسقلانی م ۸۵۲ھ--- مطبع مصطفی محمد صاحب المکتبة التجاریة الکبری مصر سنہ طباعت ندارد۔

۱۷- الجامع الصغیر للسیوطی۔ مصطفی البابی الحلبی واولادہ بمصر سنہ ندارد

۱۸- الفروع من الجامع الکافی۔ لملامحمدبن یعقوب بن اسحاق الکلینی م ۳۲۹ھ مطبعہ نولکشور لکھنئو ۱۸۸۶ء

۱۹- کتاب الام۔ الامام محمد بن ادریس الشافعیؒ المطبعة الکبر ی الامیریہ۔ بولاق (مصر) ۱۳۲۵ھ

۲۰- المحلی ۔ لابی محمد بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی م ۳۵۶ھ مطبوعہ۔ ادارة الطباعة المنیریہ قاھرة ۱۳۵۷ھ۔۱۹۳۸ھ

۱۲- بدایة المجتهد۔ لابن رشد القرطبی م ۵۹۵ھ۔ مطبعة الاستقامة قاھرة ۱۳۵۷ھ ۱۹۳۸ء

۲۲- فیض الباری۔ شرح بخاری للعلامہ محمد انورشاہ کشمیری م ۱۳۵۲ھ۔ مطبعة دارالمامون مصر ۱۳۵۷ھ۔ ۱۹۳۸ء۔ الطبعة الاولی

۲۳- عینی شرح بخاری---

۲۴- مصادرالاحکام الشرعیہ۔ صالح بن غالب الیافعی سلطان حضرموت--- مطبع مصطفی البابی الحلبی بمصر۔ ۱۳۶۵ھ۔ ۱۹۳۸ء۔ الطبعة الاولی

۲۵- الاحکام فی اصول الاحکام۔ لابن حزم الاندسی م ۴۵۶ھ۔ مکتبة الخانجی مصر ۱۳۴۵ھ

Marfat.com

۲۶— اصول التشریع الاسلامی. للاستاذ علی حسب الله. مطبعة العلوم شارع الخلیج بمصر. الطبعة الاولی ۱۹۵۲ء

۲۷— تاریخ فقه اسلامی. علامه خضری التشریع الاسلامی کا اردو ترجمه از عبدالاسلام ندوی. شائع کرده دارالمصنفین اعظم گڑھ (انڈیا) سنه ندارد

۲۸— مجموعه فتاوی ابن تیمیة. لابن تیمیه الحرانی م ۶۲۱ھ. مطبع کردستان العلمیه قاهرهمصر ۱۳۲۹ھ.

۲۹— الدرالمختار. لعلاء الدین علی الحصکفی . مطبع مجتبائی دهلی ۱۹۱۶ء

۳۰— المقارنات التشریعیة. من القوانین الوضعیة المدنیة والتشریع الاسلامی ---- للسید عبدالله علی حسین---- داراحیاء الکتب العربیة. عیسی البابی الحلبی مصرالطبعة الاولی ۱۳۶۸ھ. ۱۹۴۹ء :—

۳۱— المواریث الاسلامیه. فی المذاهب الاربعة:— لاحمد کامل الخضری شیخ معهد دمیاط الطبعة الثانیه. مطبعة التوکل بمصر ۱۳۶۹ھ. ۱۹۵۰ء

۳۲— احکام المواریث. لمحمد محی الدین عبدالحمید. مطبع عیسی البابی مصر ۱۹۴۷ء

۳۳— سراجی. مع ضیاء السراج (حاشیه). مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۵ھ مصنف سراج الدین محمد بن محمد سجاوندی م ۶۵۰ھ هیں.

۳۴— شریفیه. شرح سراجیه. از سید شریف علی. مطبع گلشن احمد لکھنو ۱۲۸۹ھ. ۱۸۷۲ء

۳۵— کتاب الفرائض. من شرائع الاسلام للشیخ نجم الدین ابی القاسم المحلی. مطبوعه وکٹوریه پریس لاہور ۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۱ء

۳۶— الوراثه فی الاسلام. للحافظ اسلم الجیراج پوری. مطبوعه علی گڑھ ۱۹۴۲ء

۳۷— حل المشکلات فی الفرائض. شجاع بن نورالله انقروی مدرس مدرسه سرای قپیق اورنه (ترکی) مطبوعه بولاق ۱۲۸۵ھ.

۳۸— فتاوی عالمگیری. اردو ترجمه از سید امیر علی مرحوم. مطبوعه نو لکشور لکھنو ۱۹۴۸ء

۳۹— حجة الله البالغه. حضرت شاه ولی الله دہلوی م ۱۱۷۶ھ کی کتاب کا اردو ترجمه از مولانا عبدالرحیم صاحب پشاوری. شائع کرده قومی کتب خانه لاہور سنه طباعت ندارد.

۴۰— جامع الاحکام فی فقه الاسلام. سیدامیر علی مرحوم کی انگریزی کتاب کا اردو ترجمه از

Marfat.com

سید ابوا الحسن صاحب۔ مطبوعہ نو لکشور لکھنو (سن طباعت ندارد)

۴۱۔ مختارالمسائل۔ اردو ترجمہ از سید سرور حسین صاحب مطبوعہ نامی پریس لکھنو ۱۹۳۱ء

۴۲۔ فتاوی المیراث۔ معروف به شرح نظم فرائض۔ اصل از مولوی جعفر علی و شرح از مولوی محمد یوسف علی۔ مطبوعہ نو لکشور لکھنو ۱۲۹۰ھ۔ ۱۸۷۳ء

۴۳۔ الوارثت فی القرآن۔ خواجہ احمد الدین امرتسری۔ شائع کردہ دفتر امت مسلمہ ' امرتسر ۱۹۴۱ء

۴۴۔ تین اہم مسائل۔ شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام کراچی۔ سنہ ندارد

۴۵۔ سیرت عائشہ ' سید سلیمان ندوی : دارالمصنفین اعظم گڑھ سنہ ندارد

۴۶۔ الفاروق۔ مولانا شبلی نعمانی۔ مطبوعہ مطبعہ معارف اعظم گڑھ۔ سنہ ندارد

۴۷۔ اسلام کا اقتصادی نظام حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔ دارالمصنفین دہلی سنہ ندارد

۴۸۔ پوتے کی میراث۔ مفتی محمد شفیع صاحب کا مختصر سا پمفلٹ (تحریر) کردہ جامعہ اشرفیہ۔ نیلا گنبد لاہور (۱۹۵۴ء)

۴۹۔ یتیم پوتے کا حق وراثت۔ سید غلام احمد بی اے پلیڈر منٹگمری کا مختصر سا پمفلٹ جسے خود مصنف نے شائع کیا ہے۔ ۱۹۵۳ء

۵۰۔ مقننہ پنجاب Legislative Assembly کی اس مسئلہ پر طبع کردہ پبلک آراء یعنی Opinion on the Punjab Muslim personal law (Shariat) application (Amemdment) bill (8th of 1953) and its supplement.

English Books

51:- Encyclopedea of Religion and Ethics (Edited by James Hastings) Vol: 7 Article on "Inheritance".

52:- Principles of Mohammaden Law by F.D.Mulla 13th Ed (1950) Calcatta

53:- Mohammaden Law by F.B Tayabji- 3rd Ed. 1940) Bombay.

Muslim Institutions by Maurice Gaudferoy Ist Ed. (1950)

George Allen and Unwin, London.

55:- Reconstruction of Religious Thought in Islam by Allama. Iqbal (Lahore Editon)

56:- Hand Book of Mohammaden law by Syed Amir Ali 3rd Ed. (1911), Calcatta.

اس کے علاوہ :

رسالہ طلوع اسلام کراچی کے ۱۹۵۱ء' ۱۹۵۲ء' اور ۱۹۵۴ء کے متعدد پرچوں --- رسالہ ترجمان القرآن لاہور کے ۱۹۵۱ء تا ۱۹۵۴ء کے مختلف شماروں اور اخبار اہل حدیث امرتسر کے ۱۹۱۷ء اور ۱۹۱۸ء کے پرچوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

☆ ☆ ☆

Marfat.com

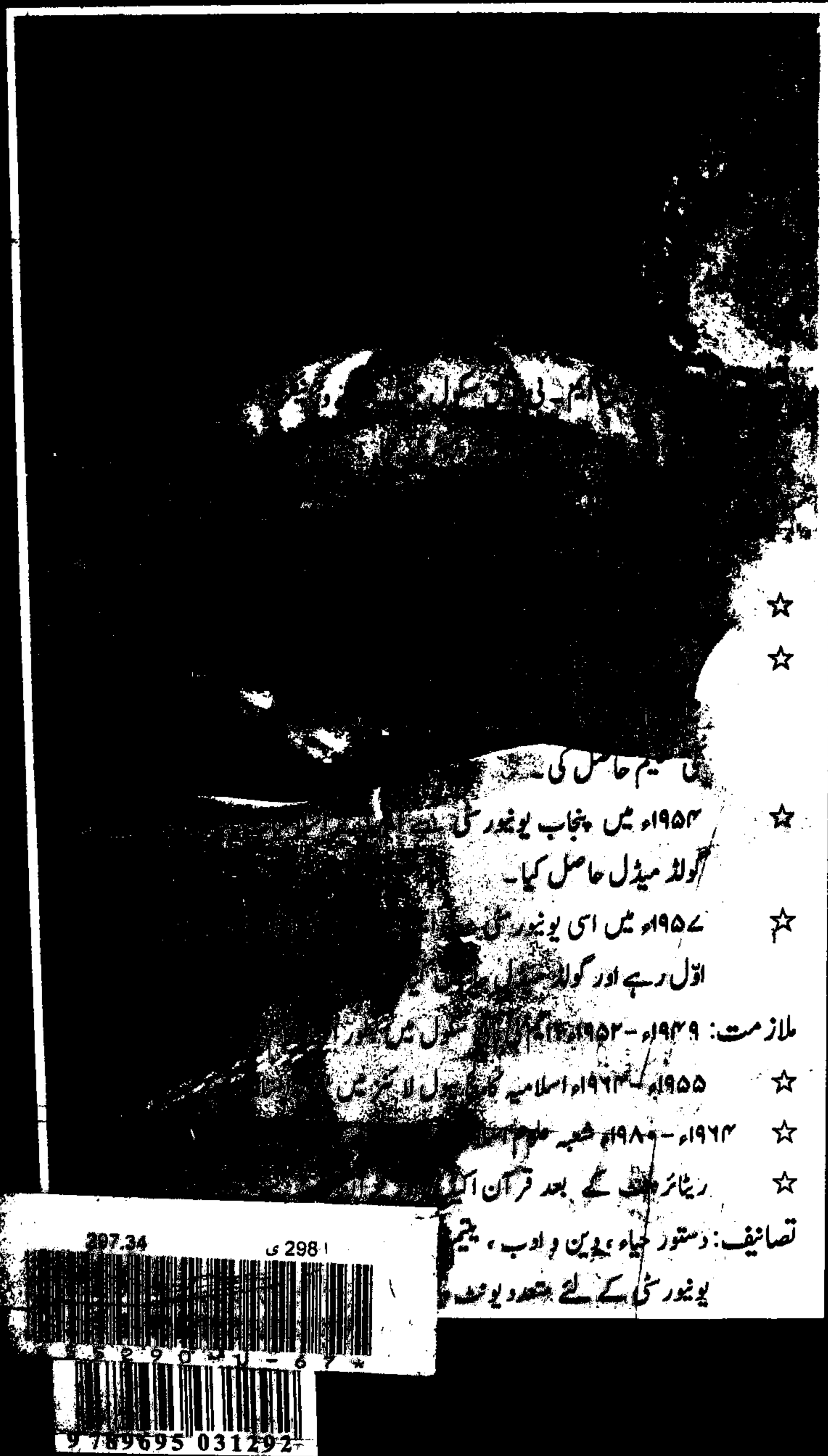

☆ ☆

ی میم حاصل کی۔

☆ ۱۹۵۴ء میں پنجاب یونیورسٹی
گولڈ میڈل حاصل کیا۔

☆ ۱۹۵۷ء میں اسی یونیورسٹی
اوّل رہے اور گولڈ

ملازمت: ۱۹۴۹ء - ۱۹۵۲ء [illegible] میں
☆ ۱۹۵۵ء - ۱۹۶۴ء اسلامیہ [illegible]
☆ ۱۹۶۴ء - ۱۹۸۰ء شعبہ علوم
☆ ریٹائرمنٹ کے بعد قرآن اکیڈ

تصانیف: دستور حیاء، دین و ادب، یتیم
یونیورسٹی کے لئے متعدد یونٹ

297.34 ی 298
9 789695 031292

Marfat.com